ہندوستانی مسلمان

اور

جہاد

از قلم

حضرت مولانا حافظ ابو ظفر ملک شیر محمد خوشابی مرحوم

پبلشرز

دارالاشاعت کتبِ اسلامیہ ۔ بمبئی ۔ ہندوستان

www.aaiil.org

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

مصنف : حضرت مولانا حافظ ابوظفر ملک شیر محمد خوشابی مرحوم

سن اشاعت : ۱۹۹۶ء

تعداد صفحات : ۲۰۲۔

کتابت : محمد یوسف حسینی

قیمت : ساٹھ روپے

ناشر : دارالاشاعت کتب اسلامیہ

۱۷۔ مولانا آزاد روڈ چوتھا منزلہ فاطمہ بائی کورٹ

جیکب سرکل۔ بمبئی ۴۰۰۰۱۱

ISBN 81-900537-4-4

بھارت پریس : ۲۰۳۵۔ گلی قاسم جان بلیماران دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶

فہرست

تعارف مصنف ۴

پیش لفظ ۱۲

باب اول ۔ انگریز کی آمد سے قبل کا پس منظر ۱۶

باب دوم ۔ سکھوں کے خلاف جہاد ۴۴

باب سوم ۔ انگریز کا قبضہ اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ۵۸

باب چہارم ۔ ۱۸۵۷ء کے بعد انگریز کے مسلمانوں پر مظالم اور عیسائیت کی یلغار ۸۲

باب پنجم ۔ سیاسی لیڈران اور مذہبی علماء کرام کے فتاوی کہ انگریز سے جہاد کرنا ناجائز ہے۔ ۹۴

باب ششم ۔ علماء اسلام کی آراء کہ ہندوستان دار الحرب ہے یا دار الاسلام؟ ۱۱۵

باب ہفتم ۔ حکومت برطانیہ کی فرمانبرداری کرنا شریعت اسلامیہ کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟ ۱۲۰

باب ہشتم ۔ انگریز کے خلاف جہاد کرنا حرام ہے ۱۵۱

باب نہم ۔ کیا سر سید احمد خاں انگریز کے ایجنٹ تھے؟ ۱۵۴

باب دہم ۔ دیگر اسلامی ممالک کا حال ۱۵۸

باب یازدہم ۔ کیا یہ سب انگریز کے ایجنٹ ہیں؟ ۱۶۲

باب دوازدہم ۔ اسلامی جہاد ۔ قرآن و سنت کی روشنی میں ۱۶۴

باب سیزدہم ۔ ہندوستان دار الاسلام ہے یا دار الحرب؟ ۱۹۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

تعارفِ مصنف

سالٹ رینج پنجاب پاکستان کے پہاڑوں کے دامن میں خوشاب ایک چھوٹا سا قدیم شہر ہے۔ اس علاقہ میں زیر زمین پانی نمکین یا شور زدہ ہوتا تھا۔ اس جگہ میٹھا پانی میسر آیا تو یہ خوش آب کہلایا اور مختصر ہوتے ہوتے 'خوشاب' کہلانے لگا۔ اس شہر میں ایک اعوان قوم کے سنی مسلمان گھرانے کی رہائش بھی تھی۔ زمینداری کے علاوہ اس گھرانے میں تحصیل وتعلیمِ دین کا بھی بہت التزام تھا۔ یہ لوگ بہت مشہور موحد تھے اور اس گھرانے نے خوشاب میں اپنی پہلی اہل حدیث مسجد تعمیر کرائی تھی۔ مولانا کے والد اسی گھرانے کے چشم وچراغ تھے، لیکن وہ اولاد نرینہ سے محرومی کے باعث اکثر اداس رہتے تھے۔ مولانا کے نانا اور دادا دونوں ہی دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے تھے اور علاقہ میں اپنے علم اور نیکی کی وجہ سے بہت عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ مولانا کے والد کی دو دختران تھیں، لیکن بیٹا نہ ہونے کے باعث ان کو فکر لاحق تھی کہ علم دین کا خاندانی ورثہ کیونکر اگلی پشت کو منتقل ہو سکے گا۔ انہوں نے حضرت زکریا علیہ السلام کی طرح اللہ تعالیٰ سے اولاد نرینہ کے لئے دعائیں کیں اور وعدہ کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں بیٹے سے نوازدے تو وہ اپنے بیٹے کو دین اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے دردِ دل سے بھری دعائیں قبول فرمائیں اور ایک فرزند پیدا ہوا تو نام 'شیر محمد' پایا۔

شیر محمد کے والد نے اپنا وعدہ ایفا کیا اور اپنے اس اکلوتے بیٹے کو علم دین جو کہ اُن کے خاندان کا طرۂ امتیاز تھا منتقل کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ شیر محمد کی عُمر ابھی چار برس ہی تھی کہ اُسے قرآن پڑھنے کے لئے دیگر بچوں کے ساتھ اپنی خاندانی مسجد میں

جماعت میں شامل کیا گیا۔ شیر محمد کا حافظہ اس قدر تیز تھا کہ قرآن کے اسباق کو دو تین بار پڑھنے سے ہی سبق حفظ ہو جاتا۔ یہ دیکھ کر شیر محمد کو ایک استاد کے پاس قرآن شریف حفظ کرنے کے لئے روزانہ ایک گھنٹہ کے لئے بھیجا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ دین اسلام کے باقی اُمور پر تعلیم ان کی خاندانی مسجد میں ان کے والد صاحب، نانا جان اور دادا جان کے پاس ہوتی رہی۔

شیر محمد جب حفظ قرآن کے لئے اپنے استاد کی طرف جاتے تو آتے جاتے ان کی نظر ایک مسلمان دکاندار پر پڑتی جس کو وہ ہمیشہ ہی کتب پڑھنے میں محو پاتے۔ بچکانہ جستجو کے مادہ نے چند دن میں شیر محمد کو اُبھارا کہ دریافت کیا جائے کہ یہ شخص ہر وقت کیا پڑھنے میں مشغول رہتا ہے۔ دریافت کرنے پر اس دوکاندار نے جو احمدی مسلمان تھا بتایا کہ وہ مرزا غلام احمد صاحب کی کتب کے مطالعہ میں محو رہتا ہے۔ چند سال بعد جب شیر محمد کوئی بارہ برس کے ہو گئے تو انہوں نے اس دکاندار سے درخواست کی کہ وہ ان کو بھی مرزا غلام احمد صاحب کی کتب پڑھنے کے لئے دے۔ اُس کو ان کتب سے اتنا عشق تھا کہ وہ کتب کسی کو دینے کو تیار نہ تھا مبادا کہ کتب کھو جائیں۔ البتہ اس نے شیر محمد کو اجازت دے دی کہ اس کی دوکان کے ایک کونہ میں بیٹھ کر جتنی دیر چاہیں اِن کتب کا مطالعہ کریں۔ جب یہ سلسلہ جاری ہو گیا تو بقول مولانا شیر محمد صاحب کچھ عرصہ بعد وہ مرزا غلام احمد صاحب کے ان دلائل سے متفق ہو گئے کہ قرآن شریف کے مطابق حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے ہیں اور یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے ہیں قرآن شریف میں کہیں نہیں پایا جاتا۔ شیر محمد یہ مسئلہ اپنے والد اور پھر نانا جان اور دادا جان سے زیر بحث لائے اور مرزا غلام احمد صاحب کے پیش کردہ دلائل سے ان کو بھی وفات عیسیٰؑ کا قائل کر لیا۔

شیر محمد صاحب کی عمر کوئی سولہ برس ہو گی کہ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے عربی زبان کا

سب سے بڑا امتحان مولوی فاضل پاس کیا۔ اس کے بعد شیر محمد کو اچھرہ لاہور کے ایک دارالعلوم میں بھجوایا گیا جہاں سے انہوں نے درس نظامی مکمل کیا۔ اس دارالعلوم کے پرنسپل دارالعلوم دیوبند کے تعلیم یافتہ تھے اور دیوبند میں شیر محمد کے نانا کے ہم جماعت رہ چکے تھے۔ مولوی فاضل اور درس نظامی کی تکمیل کے بعد شیر محمد اب مولانا شیر محمد بن چکے تھے اور جلد ہی ان کو مزنگ لاہور کی ایک جامع مسجد میں خطیب اور امام کی حیثیت سے کام کرنے کی دعوت ملی، جو انہوں نے قبول کرلی۔ مولانا ایک مواحد اور اہل حدیث خاندان کے چشم و چراغ تھے اور انہوں نے اسی ماحول میں پرورش پائی تھی مزنگ کی مسجد بریلوی مسلک کے لوگوں کی تھی۔ مولانا شیر محمد ایک جمعہ سے زیادہ بریلوی مسلک کے لوگوں کی مسجد میں نہ چل پائے اور استعفےٰ دیکر اپنے شہر خوشاب لوٹ گئے۔

دینی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مولانا شیر محمد نے ایک بار پھر خوشاب کے اُس احمدی دکاندار کو مرزا غلام احمد صاحب کی کتب مستعار دینے کے لئے کہا۔ اس بار وہ رضامند ہوگیا اور مولانا نے ایک ایک کرکے مرزا غلام احمد صاحب کی تمام کتب کا مطالعہ کیا۔ وہ دل ہی دل میں قائل ہوگئے کہ مرزا غلام احمد واقعی چودھویں صدی کے مجدد اور مسیح موعود ہیں، لیکن ان تحریروں میں لفظِ نبی کے استعمال پر ان کے ذہن میں ایک چپقلش بدستور قائم تھی۔ احمدی دکاندار جس کا تعلق احمدیوں کے قادیانی گروپ سے تھا (جو اب ربوہ جماعت کہلاتی ہے) اس نے مولانا شیر محمد کو ۱۹۳۸ء میں اس کے ہمراہ قادیان میں ان کے جلسہ سالانہ کے موقع پر جانے کے لئے دعوت دی جو مولانا نے قبول کرلی۔ مولانا وہاں گئے، لیکن وہاں کوئی بھی نبوت کے سوال پر مولانا کو تشفی بخش جواب نہ دے پایا۔ اور مولانا واپس خوشاب کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں لاہور ریلوے اسٹیشن پر گاڑی تبدیل کرنی تھی۔ مولانا خوشاب جانے والی گاڑی کے انتظار میں پلیٹ فارم پر ٹہل رہے تھے کہ ان کی نظر اپنے علاقہ کے ایک

پٹھان زمین دار پر پڑی ، ملاقات کی ، حال دریافت کرنے پر وجۂ سفر بتائی تو اُس پٹھان زمین دار نے جس کا تعلق احمدیوں کے لاہور گروپ سے جس کو جماعت احمدیہ لاہور یا احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے نام سے پکارا جاتا تھا مولانا کو دعوت دی کہ وہ اس کے ساتھ امیر جماعت احمدیہ لاہور مولانا محمد علی صاحب مفسر قرآن سے ملاقات کے لیے چلیں ۔ مولانا جو تفتیش حق میں محو تھے اپنا سفر ملتوی کر کے ان کے ہمراہ ہو لئے ۔ مولانا محمد علی صاحب سے ملاقات ہوئی ، انہوں نے مولانا کو بتایا کہ آیا انہوں نے مرزا غلام احمد صاحب کی تحریرات میں یہ بات پڑھی ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نیا یا پرانا آ ہی نہیں سکتا تو پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ یہ لکھنے والا شخص خود مدعیٔ نبوت بن بیٹھے ۔ مولانا نے بتایا مرزا صاحب کی تحریرات میں ظلّی نبی ۔ مجازی نبی ۔ بروزی نبی ۔ ایک پہلو سے امتی اور ایک پہلو سے نبی وغیرہ کی اصطلاحات تمام صوفیانہ اصطلاحات ہیں جن سے مراد محدثیت نہ کہ نبوت ہے ۔ انہوں نے مولانا سے کہا آپ کا نام شیر محمد ہے یہ مجاز ہے ۔ آپ فی الواقع شیر تو نہیں بنے ، شیر تو جانور کا نام ہے ۔ دلیری و بہادری اس کی صفات ہیں والدین نے جب آپ کو شیر محمد کا نام دیا تو ان کا مقصد آپ کو جانور بنانا نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غیرت میں شیر جیسی دلیری اور بہادری کی صفات کا آپ میں پیدا ہونے کی خواہش کا اظہار ہے ۔ جب کسی لفظ کے ساتھ کسی دوسرے صفاتی لفظ کا اضافہ کریں تو اصل لفظ کے معنی پر ایک قسم کی قید نفی لگ جاتی ہے ۔ نبی کو نبی ہی کہا جائے گا ۔ اس کو ظلّی ، بروزی ، مجازی وغیرہم صفات کا سہارا لینے کی کیا حاجت اور ضرورت ہے ۔ صرف غیر نبی کو ایسے صفاتی اضافی الفاظ کے سہارا کی حاجت ہوتی ہے اور اضافی لفظ بذاتِ خود نبوت کی تردید کے لئے کافی ہے ۔ اس قسم کی دیگر دلائل سے مولانا کو اصل مسئلہ سمجھ میں آگیا ، اور اس بات چیت کے بعد مولانا نے مولانا محمد علی صاحب سے رخصت لی ۔ رات لاہور میں گذاری اور

تمام رات ان دلائل پر غور کرتے رہے۔ اور دوسری صبح جاکر مولانا محمد علی صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرکے جماعت احمدیہ لاہور میں شامل ہوگئے۔ خوشاب واپس گئے اور اپنے خاندان کے افراد کو اپنی احمدیہ جماعت میں شمولیت کی اطلاع دی۔

چند ماہ بعد لاہور واپس آکر جماعت احمدیہ کی "مبلغین اسلام" کی تیاری کی اور جماعت میں داخل ہوگئے، مولانا صدر الدین، مولانا عبد الحق ودیارتھی اور احمدیار خاں سے تعلیم حاصل کی، اور تکمیل تعلیم کے بعد خوشاب واپس لوٹ گئے۔ کچھ عرصہ بعد مولانا محمد علی صاحب نے مولانا شیر محمد صاحب کو بلوایا اور چک نمبر ۴۸ ضلع سرگودھا میں بطور مبلغ اسلام کام کرنے کی دعوت دی۔ مولانا وہاں ۱۹۴۹ء تک بطور مبلغ کام کرتے رہے۔ ۱۹۴۹ء میں لائلپور میں بطور مبلغ اسلام تقرر ہوا جہاں ۱۹۵۳ء تک متعین رہے۔ ۱۹۵۳ء میں مال روڈ لاہور سے "روح اسلام" ماہوار رسالہ جاری ہوا تو مولانا شیر محمد صاحب اس کے مدیر بنے اس رسالہ کے چیف ایڈیٹر "میثاق النبیین" کے مصنف مولانا عبد الحق ودیارتھی صاحب تھے۔ ان دو ریسرچ سکالرز نے "روح اسلام" کو پاکستان کا سب سے عمدہ دینی رسالہ بنا دیا جس کی اہل علم و دانش میں بہت مانگ ہوئی۔

چند سال بعد مالی مشکلات کے باعث "روح اسلام" بند ہوا تو مولانا واپس لائلپور بطور مبلغ اسلام چلے گئے اور وہاں چند سال قیام کے دوران جماعت احمدیہ ربوہ اور غیر احمدی علماء سے مباحثوں میں بڑا نام پیدا کیا۔ بڑے بڑے نامور مولانا صاحبان کو مولانا شیر محمد صاحب مباحثہ میں ایسا لاجواب کرتے کہ وہ طفل مکتب نظر آتے۔ ان کے مقابل جو ایک بار مباحثہ کے لئے آیا اس پر مولانا کا ایسا اثر ہوتا کہ وہ عمر بھر کے لئے مولانا کا معترف ہو جاتا اور ان سے دوستی کا دم بھرنے لگتا۔ مولانا صاحب کا مطالعہ بہت وسیع تھا آپ نے ہزاروں کتب خود اپنی گرہ سے خرید کر اپنی لائبریری بنائی۔ کتب ان کا اوڑھنا بچھونا

تھا ۔ اپنی تمام آمدنی خرید کتب پر صرف کرتے ۔ اپنا فالتو وقت کتب کی دکانوں میں کتب کی تلاش میں لگاتے ۔

۱۹۶۰ء میں لاہور جماعت احمدیہ نے " ادارہ تعلیم القران " بنایا تو مولانا عبدالحق ودیارتھی صاحب اس کے پرنسپل مقرر ہوئے اور مولانا شیر محمد صاحب اس ادارہ میں پروفیسر مقرر ہوئے ۔

۱۹۷۰ء میں مولانا شیر محمد صاحب جزائر فیجی میں مبلغ اسلام کی حیثیت سے گئے اور ۱۹۸۴ء تک وہاں تبلیغ اسلام کے فرائض انجام دیتے رہے ۔ وہاں سے "پیغام حق" کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا جو اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں شائع ہوتا ہے اردو زبان میں اپنی مشہور کتاب " لا نبی بعدی " شائع کی ۔ ریڈیو فیجی پر اسلام پر تقریریں کرتے رہے ۔

۱۹۸۱ء میں ساؤتھ افریقہ میں سپریم کورٹ کیپ ٹاون میں محمد اسمٰعیل پیک کی طرف سے دائر کردہ سول مقدمہ بنام مسلم جوڈیشل کونسل ساؤتھ افریقہ میں اسلام پر ایکسپرٹ گواہ کی حیثیت سے طلب کئے گئے اور مولانا شیر محمد صاحب کی گواہی پر سپریم کورٹ نے اپنے فیصلہ میں اعلان کیا کہ احمدی فرقہ کے لوگ بھی باقی تمام مسلمانوں کی طرح مسلمان ہیں اور ان کو باقی مسلمانوں کی طرح مساجد میں داخلہ، قبرستان میں مدفون ہونے اور دیگر تمام حقوق حاصل ہیں ۔ سپریم کورٹ کے عیسائی جج نے اپنے ججمنٹ میں مولانا شیر محمد کی دیانت اور علم کو بہت تحسین و خراج عطا کی ۔

۱۹۸۷ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے نائب صدر منتخب ہوئے اور ۱۲ ستمبر ۱۹۹۰ء یعنی اپنی وفات تک اس عہدہ پر کام کرتے رہے ۔

۱۹۸۷ء میں وہ دوبارہ ساؤتھ افریقہ سپریم کورٹ میں بحیثیت ایکسپرٹ گواہ

پیش ہوئے، اس بار بھی مقدمہ کا فیصلہ مولانا کی شہادت پر مدعی شیخ محمد جسیم کے حق میں ہوا اور عدالت نے مسلم جوڈیشل کونسل ساؤتھ افریقہ اور شیخ ناظم محمد پر خرچہ مقدمہ کا جرمانہ بھی ڈالا۔

۱۹۸۴ء میں مقدمہ میں شہادت کی تیاری کے لئے مولانا اپنے ساتھ چار ہزار سے زائد کتب لے گئے تھے۔ مقدمہ کے فیصلہ پر جب یہ کتب واپس پاکستان لائے تو حکومت پاکستان نے یہ کتب ضبط کرلیں حالانکہ ان کتب میں سے کثیر تعداد ائمہ سلف کی تحریر کردہ کتب تھیں۔ دراصل حکومت پاکستان اور اس کے حواری علماء اس مقدمہ میں فریق مخالف یعنی مدعا علیہان کی سرپرستی کر رہے تھے اور مقدمہ ہارنے کے بعد شاید کتب ضبط کرکے اپنی خفت مٹانے کا سامان کر رہے تھے۔

۱۹۸۷ء کے مقدمہ میں حکومت پاکستان کی شریعہ کورٹ کے جج صاحبان اور پنجاب کے ایڈووکیٹ جنرل کے علاوہ سپریم کورٹ پاکستان کے دینی معاملات کے مشیر اور کمیٹی کے مشیر پروفیسر غازی محمود احمد جو فیصل یونیورسٹی اسلام آباد کے پروفیسر بھی ہیں اور پروفیسر خورشید احمد صاحب جو جماعت اسلامی پاکستان کے نائب صدر ہیں تمام کے تمام مولانا کے مقابلہ میں مدعا علیہان کے سرپرست اور مشیر تھے۔ لیکن مولانا شیر محمد تن تنہا اُن سب پر غالب رہے۔ کئی برس سے دل کی بیماری کا شکار تھے۔ آخرکار ۱۲ ستمبر ۱۹۹۰ء کو اپنے مولیٰ سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موجودہ کتاب انہوں نے ۱۹۸۶ء میں تحریر فرمائی۔ اس کے اوراق ہی ان کے علم کی گہرائی اور ریسرچ پر خود گواہی دیتے ہیں۔ ۱۹۸۴ء کے مقدمہ ساؤتھ افریقہ میں ان کا بیان اور Exhibits جو انھوں نے اپنے بیان کے ساتھ عدالت میں داخل کئے "The Ahmadiyya Case" کے نام سے انگریزی زبان میں امریکہ سے شائع کی گئی ہے۔

علاوہ ازیں ۱۹۸۴ئہ میں ہی مولانا کے ترتیب کردہ مضامین کتابی شکل میں انگریزی زبان میں "Clear Evidence Re Ahmadiyyah" کے نام سے شائع ہوئے۔

مولانا نے اپنی زندگی کے آخری سالوں میں اسلامیات پر ایک کورس کا سلیبس تیار کیا تھا۔ جس کے پڑھنے کے بعد ایک مسُلمان کو نہ صرف اسلام کے متعلق تمام ضروری معلومات حاصل ہو جاتی ہیں، بلکہ دیگر مذاہب کے مقابلہ میں بھی دسترس حاصل ہو جاتی ہے۔ اُمید ہے مستقبل قریب میں اس کو اس کی اشاعت کا سامان بھی ہو جائے گا۔

پیش لفظ

۱۹۸۵ء میں جناب مولانا حافظ شیر محمد صاحب مرحوم محمد اسمٰعیل پیک بنام مسلم جوڈیشل کونسل آف ساؤتھ افریقہ میں بحیثیت ایکسپرٹ گواہ سپریم کورٹ کیپ ٹاؤن ساؤتھ افریقہ تشریف لے گئے تو خوش قسمتی سے راقم الحروف کو ان کے ساتھ بحیثیت مترجم کام کرنے کا موقع ملا۔ اس مشہور عالم مقدمہ میں علاوہ دیگر مسائل کے مسئلہ جہاد بھی زیر بحث تھا۔ مولانا نے جو نوٹ جہاد کے موضوع پر تیار کیا وہ نہایت پُر از معلومات تھا۔ اس میں ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ کے چند ایسے ابواب اور واقعات پر سے مولانا نے پردہ اٹھایا تھا جو عموماً موجودہ نسل کے مسلمانوں سے پوشیدہ ہی ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ بُعد زمانہ کی وجہ سے اوراق گم گشتہ بن کر رہ گئے ہیں۔ میں نے مولانا سے درخواست کی کہ وہ اپنے اس نوٹ کو ذرا زیادہ تفصیل سے تحریر فرما کر کتابی شکل میں شائع فرمادیں تاکہ افادیت عام ہو۔ مولانا نے میری درخواست قبول کرتے ہوئے کتاب شائع کرنے کا وعدہ کرلیا۔

مقدمہ میں التواء کے دوران کیپ ٹاؤن کے ہندوستانی نژاد مسلمان ڈاکٹر اے۔ ایچ مہاتے صاحب جن کی اسلام دوستی، ہمدردئ نسل آدم، دوست نوازی اور مہمان نوازی کی مثال شاذ و نادر ہی ملے گی، ہمیں ساؤتھ افریقہ کی سیر کو لے گئے۔ وہ مولانا کے معالج ہونے کے علاوہ ان کے مداحین کی صفِ اول میں تھے۔ دورانِ سفر بہت سے دینی مسائل پر بات چیت ہوتی رہی۔ جہاد کے مسئلہ پر بھی بات ہوئی، ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا "جب ہندوستان اور پاکستان میں جنگ ہوتی ہے تو پاکستان کے مسلمان

بلکہ غیر مسلم بھی اپنے وطن اور دیس کے لئے جنگ کرتے ہیں لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ پاکستان کے مسلمان اور علماء یہ امید کیوں رکھتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمان فوج میں شامل ہو کر اپنے وطن یا دیس کے لئے جنگ نہ کریں۔ اگر پاکستانی مسلمانوں کی اپنے وطن کیلئے جنگ جہاد ہے تو پھر ہندوستان کے مسلمانوں کی اپنے وطن کے لئے جنگ کیوں جہاد نہیں؟

مولانا نے فرمایا اہل علم جانتے ہیں کہ طرفین میں سے کسی کی جنگ بھی جہاد نہیں۔

"جہاد" اسلامی مسائل میں سے ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے متعلق غیر مسلم اور یورپ کے مستشرقین تو ایک طرف رہے خود مسلمانوں اور مُسلم علماء کی اکثریت صحیح شرعی تعلیم سے محض بیگانہ ہے۔ اول تو اکثریت صرف قتال کو ہی جہاد سمجھتی ہے اور جہاد کی دیگر اقسام کو جن کا جنگ وجدل یا قتال سے کوئی واسطہ نہیں جہاد گردانتی ہی نہیں۔ اس طرح قتال جو جہاد کی بہت سی شقوں میں سے ایک شق ہے جہاد کہلاتا ہے۔ اسلامی خلافت نے جب ملوکیت کی شکل اختیار کر لی تو یہ قتال بمعنیٰ جہاد بھی بجائے دین کے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے استعمال ہونے لگا اور آج تک ہو رہا ہے۔ یورپی استعمار نے جب ایک ایک کر کے مسلمان ممالک پر قبضہ کر لیا تو اس زوال کے دور میں جہاد (قتال) کے بے شمار فتاویٰ جاری کئے گئے کہ دین کے نام پر مسلمان بادشاہوں اور شہنشاہوں کی ملوکیت کی بحالی کے لئے غیر ملکی حاکموں کے خلاف مسلمان عوام جنگ جاری رکھیں۔ اس دور میں حضرت سیّد احمد بریلویؒ، مولوی چراغ علی صاحبؒ، سر سید احمد خاں صاحبؒ اور مرزا غلام احمد صاحبؒ قادیانی نے عامۃ المسلمین کو جہاد کی صحیح شرعی حیثیت سے آگاہ کرنے کی کوشش کی تو ان کے خلاف کفر، انگریز دوستی، دین اور وطن سے غداری وغیرہ کے فتاویٰ جاری کئے گئے۔ مولانا شیر محمد صاحبؒ مرحوم نے اپنی اس کتاب میں اسی تاریخی پس منظر میں ہندوستانی مسلمانوں کے تعلق سے جہاد کے مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے جو نہایت ہی معلومات افزا ہے۔

مولانا نے اِس کتاب کا مسودہ ۱۹۸۶ء کے آخری دِنوں میں میرے حوالے کیا۔ اس دوران عراق اور ایران کی جنگ ہو رہی تھی اور دونوں ممالک کے علماء نے اپنے اپنے عوام کو جنگ میں شامل کرنے کے لئے ایک دوسرے کے خلاف جہاد کے فتاویٰ جاری کئے تھے۔ اس طرح یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا دو مسلمان قوموں اور ملکوں کے درمیان لڑی جانے والی جنگ جہاد کہلانے کی مستحق ہے؟ میں نے مولانا سے اس مسئلہ کو بھی کتاب میں شامل کرنے کی درخواست کی۔ لیکن ان کی صحت ان دنوں کچھ قابل رشک نہ تھی دیگر یہ مضمون "ہندوستانی مسلمان اور جہاد" کے موضوع سے کچھ علیحدہ نوعیت کا تھا۔ لہذا مولانا نے معذوری کا اظہار کیا۔

اب عراق اور کویت کی جنگ کے بعد عراق اور سعودی عرب اور امریکہ کے اتحادیوں کے درمیان لڑی جانے والی جنگ نے جہاد کے متعلق اور بہت سے جواب طلب سوالات پیدا کئے ہیں، جن کے جوابات مسلم دانشوروں کے ذمہ ہیں۔ پھر موجودہ زمانہ کی جنگوں میں کیمیاوی ہتھیاروں، ایٹمی ہتھیاروں اور دیگر اس نوعیت کے وسیع تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے استعمال سے فوجوں کی نسبت عام شہریوں کی جن میں عورتیں، بچے، بوڑھے سبھی شامل ہوتے ہیں بہت زیادہ تباہی ہوتی ہے، فصلیں، عبادت گاہیں، سکول، ہسپتال، مکانات بھی تباہ ہوتے ہیں اور متواتر احادیث نبوی کے مطابق مسلمان افواج کو ان تمام کی تباہی سے صریحاً منع کیا گیا ہے۔ اندریں حالات سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا مسلمان ممالک کی افواج ایسے ہتھیار استعمال کر سکتی ہیں یا نہیں۔ یہ اور ایسے اور بہت سے مسائل جن کا جہاد سے تعلق ہے آج سے پچاس برس پہلے کی دنیا کو درپیش نہ تھے ان تمام نئے مسائل پر دینی تعلیمات کی روشنی میں ریسرچ کرنے کی ضرورت ہے۔

بہرحال ڈاکٹر اے۔ ایچ بہاتے صاحب نے ہندوستانی مسلمانوں کے حوالہ سے جو

سوال دریافت کیا تھا وہ اپنی جگہ اس دور کا بہت اہم سوال ہے۔ آج دنیا کے تقریباً تمام ممالک میں مسلمان اچھی خاصی تعداد میں رہائش پذیر ہیں۔ اکثر ممالک میں اُن کی حیثیت ہندوستانی مسلمانوں کی طرح ان ممالک میں ایک دینی اقلیت کی ہے۔ جو حیثیت ہندوستانی مسلمانوں کی جہاد کے مسئلہ پر ہوگی کم وبیش وہی امریکہ، یورپ، ایشیا اور افریقہ کے ان ممالک میں ہوگی جہاں مسلمان ایک دینی اقلیت ہیں۔ ان کو جہاد کے متعلق اپنی پوزیشن کا تعین محض جذباتی سیاسی نعرہ بازی سے نہیں بلکہ قرآن وسنت کی ٹھوس تعلیمات کے سہارے ڈھونڈنے کی ضرورت ہے اور اس ضمن میں مولانا شیر محمد صاحب کی موجودہ کتاب ایک مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

دارالکتب اشاعتِ اسلامیہ اور اس کے مالک جناب عبدالرزاق صاحب قابل صد مبارکباد ہیں کہ انہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کی افادیت کے لئے مولانا کی اس کتاب کو شائع کرنے کا مبارک اقدام کیا ہے۔

مسعود اختر

۱۶۔ جولائی ۱۹۹۱ء ایڈیٹر اسلامک ریویو۔ کیلیفورنیا۔ امریکہ

باب اول

انگریز کی آمد سے قبل کا پس منظر

سب سے پہلا انگریز ہندوستان میں انفرادی طور پر ۱۵۷۹ء میں آیا۔ اور ۱۶۰۰ء میں ملکہ ایلزابیتھ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو شاہی پروانہ دیا۔ انگریزوں کو ہندوستان میں جس مغل بادشاہ نے پہلے پہل دربار میں سفارت قائم کرنے اور سورت، احمد آباد، برہان پور اجمیر، آگرہ، گوا اور کھمبایت میں تجارتی کوٹھیاں قائم کرنے اور جگہ جگہ گودام بنانے کی اجازت دی وہ سلیم نورالدین جہانگیر تھا اور سر تھامس رو پہلا سفیر تھا جو ۱۶۱۳ء میں ہندوستان آیا۔ جہانگیر کی وفات کے بعد ۱۶۲۷ء میں اس کا بیٹا خرم شاہ جہاں کے نام سے ہندوستان کا شہنشاہ ہوا۔ ۱۶۴۰ء میں وجے نگر دکن کے حاکم رام راجا کے بھائی نے انگریزوں کو وہ زمین دے دی جسے آج کل مدراس کہا جاتا ہے اور پرتگیزیوں کے بعد ۱۶۵۱ء میں انگریزوں کو بنگال میں تجارت کرنے کی اجازت مل گئی۔ تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ ہندوستان میں حضرت اورنگزیب ابوالمظفر محی الدین عالمگیر کی بہت بڑی حکومت تھی۔ اس نے پچاس برس سے زیادہ ہندوستان پر حکومت کی۔ اس کی سلطنت کشمیر سے لے کر دکن اور بنگال سے لے کر کابل و قندھار تک پھیلی ہوئی تھی۔ ۱۶۹۰ء میں اورنگزیب عالمگیر نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو کلکتہ کے مقام پر فیکٹری قائم کرنے کی اجازت دی اور ۱۶۹۶ء میں شہزادہ عظیم الشان کی اجازت سے فورٹ ولیم تعمیر ہوا۔ ۱۷۰۰ء کے قریب کمپنی نے گوبند پور اور کالی کٹ کے گاؤں خرید لئے ان گاؤں کے اتصال سے کلکتہ ظہور میں آیا اور انگریز کلکتہ، مدراس

اور بمبئی پر پورے طور پر قابض ہو گئے اور ۲۰ رجنوری ۱۷۰۷ء میں اورنگزیب عالمگیر کی وفات ہو گئی اس وقت اس کی حکومت مندرجہ ذیل صوبوں پر مشتمل تھی۔ اکبر آباد، شاہجہان آباد اجمیر، الہ آباد، اودھ، احمد آباد، لاہور، کابل، بہار، ٹھٹھ، مالوہ، ملتان، کشمیر، بنگال، اُڑیسہ، اورنگ آباد، برار، خاندیس، ظفر آباد (بیدر) بیجاپور اور حیدر آباد۔

تقریباً نصف صدی تک وہ ہندوستان کے سیاسی حالات کو درست کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اور بڑی حد تک وہ کامیاب بھی ہو گیا تھا۔ آخری وقت میں اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ وہ صلح اور خوش دلی کے ساتھ سلطنت کو تین حصوں میں تقسیم کرلیں۔ یہ وصیت حالات کے گہرے مطالعہ اور اپنے بیٹوں کی صلاحیتوں کے صحیح جائزے پر مبنی تھی۔ اورنگ زیب عالمگیر کی دوربین نگاہوں نے ان طاقتوں کو ابھرتے ہوئے دیکھ لیا تھا جن کا استیصال ایک مرکز سے قطعاً ناممکن تھا لیکن اس کے تنگ نظر اور خودغرض جانشینوں نے اس وصیت کی طرف بالکل توجہ نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طاقت جو تین مرکزوں میں تقسیم ہو کر مخالف قوتوں کو دبانے میں صرف کی جاسکتی تھی آپس میں لڑ کر ختم ہو گئی۔

۱۷۰۷ء کے بعد اگر ایک طرف جنگ تخت نشینی نے سیاسی نظام کو متزلزل کر رکھا تھا تو دوسری طرف بادشاہوں کی کوتہ اندیشی، عیش و عشرت اور پست ہمتی نے حالات کو بد سے بدتر کر دیا۔ ملک کے گوشہ گوشہ میں باغیانہ قوتیں کام کرنے لگیں۔ اور ہر طرف لوٹ مار، قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو گیا۔ ان حالات میں کچھ خدا کے بندوں نے بادشاہوں کو ان کے گہوارۂ عیش و عشرت میں بیدار کرنے کی کوشش کی لیکن رنگ و بو اور مے و نوش کی اس دنیا میں مدرسوں اور خانقاہوں کی یہ آواز کہاں سنی جاسکتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زوال و انحطاط کی رفتار تیز سے تیز تر ہو گئی، مرکزی حکومت کا ڈھانچہ بے جان ہو کر گرنے لگا۔ صوبائی گورنروں، جاگیرداروں، امرا، اور حکام

نے سیاسی بدنظمی سے فائدہ اٹھا کر اپنی طاقت بڑھانی شروع کردی اور وہ سلطنت مغلیہ جس کا اقتدار کبھی کشمیر سے دکن اور بنگال سے کابل و قندھار تک تسلیم کیا جاتا تھا۔ سمٹ کر قلعہ معلیٰ کی چار دیواری میں آگئی۔

فرمانرواؤں کی غفلت اور عیش پسندی سے سب سے پہلے جو طبقہ فائدہ اٹھایا کرتا ہے وہ ہمیشہ امرا کا ہوتا ہے اُس زمانہ میں ان امرانے جو حالات پیدا کردیئے تھے وہ حد درجہ افسوس ناک تھے، اپنے مقاصد کے حصول کے لئے وہ ایک طرف گروہ بندی کرتے تھے۔ دوسری طرف بیرونی طاقتوں سے سازباز اس طرح سماج اور سیاست کا ہر گوشہ ان کی شاطرانہ چالوں سے متاثر ہوتا تھا۔ جماعت بندی کے مسموم اثرات محلات سے لے کر جھونپڑوں تک پہونچتے تھے۔ اور سماجی زندگی کی تلخیوں میں اضافہ کرتے تھے دربار میں دو مستقل پارٹیاں (ایرانی اور تورانی) تھیں۔ ہندوستان کی سیاست ان ہی دو پارٹیوں کے گرد گھومتی تھی۔ تاریخ احمد شاہی کے مصنف نے ان حالات میں لکھا تھا۔

"یہ تمام فتنہ و فساد ایرانی اور تورانی امراء کے آپس کے جھگڑوں کا نتیجہ ہے"۔

سیاسی حالات کا اتار چڑھاو ان ہی امراء کی ابروئے چشم کے تابع تھا۔ سرجادو ناتھ سرکار کا خیال ہے کہ سلطنت مغلیہ کے آخری دور کی تاریخ صرف ان ہی دو پارٹیوں کی نبرد آزمائی کا نام ہے۔ (فال آف دی مغل ایمپائر جلد ۱ صفحہ ۴۳۹)

مرکز کو کمزور پا کر صوبائی حکومتوں کا اعلان خودمختاری کردینا بالکل فطری بات تھی۔ چنانچہ سعادت علی خاں نے اودھ میں، علی وردی خان نے بنگال میں اور نظام الملک نے دکن میں اپنا اقتدار قائم کرلیا اور اس طرح سلطنت مغلیہ کا سیاسی اقتدار اور اقتصادی ذرائع ختم ہوگئے۔ جو علاقہ شاہان مغلیہ کے قبضہ میں تھا وہاں جاگیرداری اور

اجارہ داری کی رسمیں جاری تھیں اور ان کے مذموم اثرات کاشتکار سے لے کر حکومت وقت تک کے لئے پریشانی کا باعث بنے ہوئے تھے۔ بڑے جاگیردار ایک طرف حکومت کے ٹیکس ادا کرنے سے گریز کرتے تھے۔ دوسری طرف غریب کاشتکاروں کا خون چوستے تھے ان کا وجود حکومت کے لئے پریشان کن اور کاشتکاروں کے لئے ایک بلائے آسمانی کی مانند تھا۔ چھوٹے چھوٹے منصب داروں کی حالت مختلف تھی۔ انھیں کوئی لگان دینے پر ہی آمادہ نہ ہوتا تھا۔ مرکزی حکومت نے اپنا کام آسان کرنے کے لئے سارا ملک جاگیرداروں میں بانٹ رکھا تھا جو علاقہ باقی رہ گیا تھا وہاں اجارہ داری کی رسم جاری کر دی تھی۔ ان حالات میں ہر طبقہ پریشان اور اقتصادی بدحالی میں مبتلا تھا، بادشاہ کے ایک لاکھ ملازمین تھے جن میں سے کچھ اہل نقدی تھے اور کچھ اہل جاگیر

ان حالات میں ناگزیر تھا کہ ملک کے وہ عناصر جو تھوڑی سی بھی قوت جمع کر سکتے ہوں، قسمت آزمائی کے لئے تیار ہو جائیں. سکھ، مرہٹے، روہیلے اور جاٹ سب نے اس ماحول میں ہنگامہ آرائی کی۔ اور حالات کو اس درجہ خراب کر دیا کہ امن وسکون ملک سے مستقل طور پر رخصت ہو گیا۔ فتنہ وفساد، منافرت وعداوت، لوٹ مار اور غارتگری نے سماجی زندگی کا نام ونشان بھی باقی نہ چھوڑا۔

سیاسی انتشار، اخلاقی زبوں حالی اور معاشی بحران کے اس دور میں بیرونی طاقت نے اپنے پنجے جمانے شروع کئے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کی سکھ روہیلے اور جاٹ جیسی سیاسی تحریکوں کا جائزہ لے کر ہم آگے بڑھیں۔

سکھ

پندرھویں صدی میں اسلام کے اثر سے ہندوؤں میں جو مذہبی رہنما پیدا ہوئے تھے۔ ان میں گرونانک (۱۴۶۹ء — ۱۵۳۸) کی شخصیت خاص اہمیت رکھتی ہے وہ بڑے وسیع مشرب صوفی تھے۔ وحدانیت اخلاقی

زندگی اور سماجی مساوات پر ان کا ایمان تھا۔ مسلمان بزرگوں اور صوفیہ کی صحبت سے وہ کافی مستفیض ہوئے تھے پاک پٹن میں حضرت بابا فرید گنج شکر کے سجادہ نشینوں کی صحبت سے کافی فائدہ اٹھایا انہوں نے نہ صرف ایک مسلمان کے گھر شادی کی اور حج کیا بلکہ ان کے گرنتھ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کلمہ طیبہ اور نماز بھی پڑھتے تھے یعنی موحد تھے جب تک سکھوں کی تحریک خالصتاً مذہبی رہی مسلمان بادشاہوں نے اس کے رہنماؤں کے ساتھ عزت و احترام کا برتاؤ کیا۔ لیکن جب اس نے سیاسی رنگ اختیار کر لیا تو مغل بادشاہوں کے تعلقات کی نوعیت بدل گئی۔ مشہور ہے کہ جب بابر ہندوستان آیا تو گرونانک کی خدمت میں عقیدت مندانہ حاضر ہوا گرونانک نے اسے ہندوستان کی فتح اور سات پشتوں تک اس کی نسل کی حکمرانی کی دعا دی، اکبر نے گرو جی امرداس وغیرہ کی بڑی عزت کی۔ گرو ارجن کے متعلق تو یہاں تک مشہور ہو گیا تھا کہ ان کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ شہنشاہ تک ان کے آگے جھکتا ہے۔ جب اکبر چتوڑ پر حملہ آور ہوا تو بھگوان داس کو گرو امرداس کے پاس دعا کے لئے روانہ کیا۔ کہتے ہیں کہ اکبر نے خود حاضر ہو کر ان سے بارہ دیہات قبول کرنے کی درخواست کی تھی۔ گرنتھ پر ۵۱ اشرفیاں چڑھائی تھیں۔ گرو ارجن کی سفارش پر پنجاب کا ایک سال کا لگان معاف کر دیا تھا۔ امرتسر جس کا قدیم نام گرو کا چاک ہے اکبر نے سکھوں کو دیا تھا۔

سر جیمس ڈوئی (Sir James Doi) نے لکھا ہے کہ سکھوں کے ساتھ اکبر کے اس اچھے برتاؤ کا ایک سبب یہ تھا کہ اکبر کے آزادانہ مذہبی افکار بہت حد تک ان گروؤں کے اصولوں سے ہم آہنگ تھے۔ (دی پنجاب ص ۱۷)

مغل بادشاہوں کے یہ تعلقات اس وقت تک رہے جب تک سکھوں کے رہنماؤں نے سیاست میں مداخلت نہیں کی۔ جوں ہی اس تحریک نے رنگ بدلا شاہانِ مغلیہ

کے رویہ میں بھی تبدیلی پیدا ہوگئی ۔ مسلمان بادشاہوں کی مخالفت کا سبب کوئی مذہبی عناد نہ تھا بلکہ اس کی وجہ کلیتاً سیاسی تھی ۔

گرو ارجن نے ایک سیاسی نظام تیار کیا اور امرتسر کو عسکری مرکز بنا کر کابل سے ڈھاکہ تک جہاں جہاں سکھ بستے تھے ان سے محصول لینا شروع کیا اس طرح بقول ڈاکٹر تارا چند ایک مذہبی برادری، ایک حکمراں طبقہ میں منتقل ہوگئی۔ (ہسٹری آف دی انڈین پیپل ص۲۶۹)

دولت کی ہوس اس قدر بڑھ گئی کہ خود سکھوں میں مشہور ہوگیا کہ دنیا کی دولت گرونانک سے بارہ کوس کے فاصلہ پر تھی ۔ گرو انگد سے چھ کوس پر گرو امرداس کے دروازہ پر اور گرو ارجن کے گھر میں ۔ (تاریخ ہند ۱۵۸۲ء ۔ مولوی ذکاء اللہ مرحوم جلد ۹ ص۵)

سکھوں کا سب سے پہلا جھگڑا جہانگیر سے ہوا ۔ گرو ارجن (۱۵۸۱ء ـ ۱۶۲۶ء) نے شہزادہ خسرو کو جس نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کی تھی پناہ دی ۔ جہانگیر نے اس بات پر گرو کو دربار میں بلایا اور جرمانہ کیا ۔ جب انہوں نے جرمانے کی ادائیگی سے انکار کیا تو ان کو سزا دی گئی ۔ ڈاکٹر بینی پرشاد نے صحیح لکھا ہے کہ سزا صرف سیاسی اسباب کی بنا پر دی گئی تھی اگر گرو ارجن ایک باغی شہزادے کی مدد نہ کرتے تو وہ بلا ضرر اور پورے اطمینان کے ساتھ اپنے دن گذار سکتے تھے (ہسٹری آف جہانگیر ص۱۳۰)

سر جادو ناتھ سرکار کا بھی یہی خیال ہے کہ اس کے قتل میں کوئی مذہبی جذبہ شامل نہ تھا یہ سزا وہی تھی جو معمولاً سیاسی مجرموں کو دی جاتی تھی ۔ (تاریخ اورنگ زیب جلد سوم ص۳۰۸ (انگریزی)

واقعہ کی نوعیت کچھ بھی ہو یہ حقیقت ہے کہ اس قتل نے شاہانِ مغلیہ اور

سکھوں کے درمیان ایک ابدی منافرت کا بیج بو دیا۔ اس کے بعد جب گرو ہرگوبند (۱۶۰۶ء۔ ۱۶۴۵ء) نے سکھوں کی تنظیم بالکل سیاسی نہج پر شروع کر دی تو حکومت سے ان کا تصادم یقینی ہو گیا۔ ڈاکٹر سنہا نے گرو گوبند کو سکھ عسکریت کا بانی بتایا ہے گرو ہر رائے (۱۶۴۵ء تا ۱۶۶۱ء) نے جنگِ تخت نشینی کے دوران میں دارا شکوہ کو مدد دی (اردون جلد اول ص۲۰) اور اورنگ زیب سے ان کے تعلقات خراب ہو گئے۔ پھر تیغ بہادر (۱۶۶۴ء۔ ۱۶۷۵ء) نے کشمیر کے ہندوؤں میں بغاوت پھیلانی شروع کی تو اورنگ زیب نے ان کو قتل کرا دیا (تاریخ اورنگ زیب سر جادوناتھ سرکار جلد سوم ص۳۱۶) گرو گوبند سنگھ (۱۶۷۰ء۔ ۱۷۰۸ء) سے بھی اس کے تعلقات خراب رہے ۱۶۷۶ء میں جب بادشاہ جامع مسجد سے نکل رہا تھا تو ایک سکھ نے بادشاہ پر اینٹیں پھینکیں (مآثر عالمگیری ص۱۵۴)

اب سکھوں کی دشمنی صرف بادشاہوں تک ہی محدود نہ رہی عام مسلمانوں سے بھی مخالفت شروع ہو گئی، سکھ رہنماؤں نے حکم دیا کہ کوئی سکھ مسلمان بزرگوں کی قبروں پر نہ جائے اگر جائے گا تو اس پر ۱۲۵ روپئے جرمانہ کیا جائے گا۔ (تاریخ اورنگزیب جلد سوم ص۳۱۶)

اورنگ زیب نے جب ان کے سیاسی اقتدار کو بڑھتے ہوئے دیکھا اور سلطنت مغلیہ سے ان کی دشمنی کا پورا یقین ہو گیا تو ان کے استیصال کی کوششیں شروع کر دیں، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی اجتماعی وحدت کا خاتمہ ہو گیا نہ ان کا ایک مرکز رہا۔ نہ ایک رہنما، ان کی طاقت منتشر ہو گئی۔ سر جادوناتھ سرکار کا خیال ہے کہ اگر اورنگ زیب کے جانشین لائق ہوتے تو سکھوں کا بھی وہی حشر ہوتا جو دھنڈیا واگھ اور تانتیہ ٹوپی کا برطانوی عہد میں ہوا تھا۔ اورنگ زیب کے کمزور جانشینوں نے ان کی لالچ کو اور

بڑھا دیا اور ان کی چیرہ دستیاں اور مظالم اس حد تک پہونچ گئے کہ باندا کے مظالم سے تمام شمالی ہندوستان گھبرا اُٹھا۔ ۱۷۱۰ء میں جب سرہند پر سکھوں کا حملہ ہوا تو بہت سے مسلمانوں نے ہندوؤں کے گھروں میں بھیس بدل کر پناہ لی۔ (اردو جلد اول ص۲۶)

ان کے مظالم زندوں تک محدود نہ رہے۔ شاہ قمیص قادریؒ کا مزار خود ان کی اولاد سے جبراً کھدوایا گیا۔ سہارنپور میں عورتیں سکھوں کے ڈر سے کنوؤں میں ڈوب کر مرگئیں۔ بعض لوگوں نے قتل وغارتگری کے اس ہنگامہ میں اپنے نام بدل دیئے۔ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کا حملہ ہوا۔ اس کے بعد سکھوں کی طاقت اور ہمت میں اضافہ ہوگیا۔ ۱۷۳۹ء سے ۱۷۶۵ء تک متعدد بیرونی حملوں کی وجہ سے حالات خراب ہوگئے اور سکھوں کو ہنگامہ آرائی کا موقع مل گیا۔ انہوں نے ۱۷۶۴ء میں لاہور پر قبضہ کرلیا اور جہلم سے جمنا تک اپنا تسلط قائم کرلیا۔ ۱۷۶۵ء اور ۱۸۰۰ء کے درمیان ان کا اتنا اقتدار بڑھا کہ اٹک سے کرنال تک اور ملتان سے جموں کشمیر تک کا علاقہ ان کے قبضہ میں آگیا۔ اور اب انہوں نے دوآب اور روہیل کھنڈ پر بھی حملے شروع کردیئے۔ انیسویں صدی کے شروع میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جسے احمد شاہ ابدالی کے پوتے شاہ زمان والیٔ کابل نے ۱۷۹۹ء میں پنجاب کا گورنر بنایا۔ لیکن بعد میں وہ خود مختار ہوگیا اور اس نے اپنا اتنا اقتدار بڑھایا کہ سکھوں کی طاقت اپنے پورے عروج پر پہونچ گئی۔

اٹھارہویں صدی میں سکھوں نے جو حالات پیدا کردیئے تھے ان سے لوگوں کے مصائب میں بڑا اضافہ ہوگیا تھا۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ کل ہند سیاسی نظام قائم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ اٹھارہویں صدی کے لٹریچر کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ

ہوگا کہ سکھوں کے حملوں کی وجہ سے لوگ کس قدر پریشان رہتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ انتہائی پریشانی کے عالم میں اپنے چچا کو لکھتے ہیں ؎

اَیّام بَردٍ اَتَتْ فالقلبُ مُنْجَزِعٌ   من قومِ سکھ وان الخوف معقول

سردیوں کا موسم آگیا اور دل پریشان ہے۔ سکھ قوم سے اور دل کا یہ اندیشہ معقول ہے

"مرہٹے"

حضرت اورنگزیب نے اپنی زندگی کے آخری ۲۶ سال دکن میں مرہٹوں سے جنگ کرنے میں صرف کئے تھے ۲۵ نومبر ۱۶۸۱ء کو وہ برہانپور پہونچا تھا اسکے بعد وفات (۲۰ جنوری ۱۷۰۷ء) تک وہ مرہٹوں سے نبرد آزما رہا۔ جغرافیائی حالات کی بنا پر مرہٹوں کا مکمل خاتمہ ناممکن ہوگیا تھا۔ لیکن تمام مشکلات کے باوجود اس نے مرہٹوں کے ایک مرکز اور اجتماعی قوت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ ان کی اجتماعی طاقت کے منتشر ہونے کے بعد عالمگیر کو بجائے ایک جگہ کے مختلف مقامات پر ان کا مقابلہ کرنا پڑا اور اس طرح اس کا کام اور زیادہ مشکل ہوگیا، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اگر چند سال اورنگ زیب کے جانشین پوری طرح جد و جہد کرتے تو مرہٹوں کی سیاسی طاقت کا خاتمہ ہو جاتا۔

اورنگ زیب کے مرنے کے بعد مرہٹوں کی طاقت میں اضافہ ہونا شروع ہوگیا۔ دکن اور گجرات کی صوبہ داری پر امراء آپس میں جھگڑتے تھے اور مرہٹوں کی طاقت بڑھتی تھی (زوال سلطنت مغلیہ جلد اول ص ۶۷) جب مرہٹوں کا طوفان شمال کی جانب اُمنڈتا تھا تو اس کا مقابلہ کرنے کے بجائے حکومت کی طرف سے مرہٹوں کو مراعات دی جاتی تھیں تاکہ وقتی طور پر وہ طوفان رک جائے ان مراعات نے مرہٹوں کی ہمت میں اضافہ کر دیا جب فرخ سیر اور سید برادران میں کشمکش ہو رہی تھی تو سید علی نے دکن میں مرہٹوں کو اپنا ساتھی اور مددگار بنانے کی نیت سے بالاجی وشوناتھ کو تمام دکن

سے چوتھ اور سر دیش مکھی وصول کرنے کا حق دے دیا تھا۔ بادشاہ نے اس حق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو حسین علی فروری ۱۷۱۹ء کو مرہٹوں کی فوج کے ساتھ مل کر دلی پر حملہ آور ہوا۔ یہ واقعہ گو اس ماحول میں جو عالمگیر کے بعد پیدا ہو گیا تھا کچھ غیر معمولی نہ تھا لیکن جس دن حسین علی مرہٹوں کو اپنا مددگار بنا کر مغلوں کے دارالسلطنت میں لایا تھا اسی دن مغلیہ سلطنت کے اقتدار کا جنازہ اٹھ گیا تھا۔ ڈاکٹر سنہا نے لکھا ہے کہ مرہٹوں کا اس وقت دہلی آنا ان کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ تھا۔ وہ اس وقت ملازمین کی حیثیت سے نہیں بلکہ مددگار کی حیثیت سے آئے تھے۔

بالاجی وشوناتھ کے بعد اس کے بیٹے باجی راؤ (۲۰، ۶۱) نے مالوہ اور گجرات سے خراج وصول کیا اور بندھیل کھنڈ پر قبضہ کر لیا ۱۷۳۲ء-۱۷۳۳ء میں مرہٹوں کا یہ حال تھا کہ گوالیار سے اجمیر تک ۲۲۰ میل کے فاصلے میں پھیل گئے تھے۔ راجہ جے سنگھ جو دہلی دروازہ سے نربدا کے کنارے تک کا حاکم تھا باوجود ۳۰ ہزار فوج رکھنے کے کچھ نہ کر سکتا تھا۔ خود محمد شاہ کا یہ حال تھا کہ مرہٹوں کے حملہ کی خبر سن کر جے سنگھ کو بیس تیس لاکھ روپیہ دے کر مرہٹوں سے صلح خریدنے کے لئے بھیج دیا تھا۔

بادشاہ کی ان حرکتوں سے مرہٹوں کو سلطنت مغلیہ کی کمزوری کا خوب اندازہ ہو گیا اور ان کی دست درازیاں بڑھنے لگیں۔ بے حس اور خود غرض امراء کا یہ حال تھا کہ جب گجرات یا مالوہ پر مرہٹوں کے حملہ کی خبر بادشاہ کو پہونچتی تو اس کی پریشانی دور کرنے کے لئے شکار پر چلے جاتے تھے (ارون جلد دوم ص۲۷۵)

۱۷۳۷ء میں مرہٹے دہلی پر حملہ آور ہوئے تو مغل بادشاہ نے دریا میں کشتیاں ڈلوا دیں تاکہ محل شاہی کی دریچی سے نکل کر بھاگنے میں سہولت ہو (ارون جلد دوم ص۲۹۱)

طارق کی روح نے پکار پکار کر کہا کہ اس کارزار ہستی میں عمل سے زندگی بنتی ہے

لیکن ہنگامہ ہائے عیش و نشاط میں خلل انداز ہونے والی یہ صدائیں کون سنتا تھا۔

بادشاہوں کی کمزوری اور امراء کی خود غرضی کے باعث مرہٹوں کو لوٹ مار اور قتل و غارتگری کا موقع مل گیا۔ ان کے مظالم نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ مرزا مظہر جان جاناں، شاہ عبدالعزیز، سلیم اللہ، گنگا رام، ونشور دیا لنکر اور بہت سے بنگالیوں کے دل ہلا دیئے۔ بنگال کے مشہور شاعر گنگا رام نے لکھا ہے۔

"برگیوں (مرہٹوں) نے دیہاتوں کو لوٹنا شروع کر دیا .... کچھ لوگوں کے انہوں نے ہاتھ، ناک اور کان کاٹ لیے۔ خوبصورت عورتوں کو وہ رسیوں میں باندھ کر لے گئے۔ جب ایک زنا کر چکتا تو دوسرا کرتا تھا۔ عورتیں چیخیں مارتی تھیں .... انہوں نے گھروں کو آگ لگا دی اور ہر طرف لوٹ مار کرتے ہوئے گھومے"۔

ونیشور دیا لنکر نے لکھا ہے کہ شاہو راجہ کی فوجیں حاملہ عورتوں، بچوں، برہمنوں اور غریبوں کو بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کرتی تھیں۔ وہ ہر طرح کے گناہ کا ارتکاب کرتے تھے اور جدھر سے گذر جاتے ایک قیامت برپا ہو جاتی۔

ان حالات میں لوگوں کو اپنی زندگی وبال معلوم ہونے لگی شاہ ولی اللہ نے مجبور ہو کر احمد شاہ ابدالی کو دعوت دی کہ وہ ہندوستان آکر مرہٹوں کے تسلط سے خلاصی دلائے۔

احمد شاہ ابدالی ہندوستان آیا اور پانی پت کے مقام پر مرہٹوں کی طاقت سے ٹکرایا۔ اس جنگ نے مرہٹوں کی طاقت کو پارہ پارہ کر دیا اور بقول سرکار مہاراشٹر میں کوئی گھر ایسا نہ رہا جہاں صف ماتم نہ بچھ گئی۔ دس سال تک مرہٹوں نے شمال کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اس کے بعد دو تین بار انہوں نے اپنی طاقت کو مجتمع کر کے شمالی ہندوستان پر تسلط جمانے کی کوشش کی اور اس میں کچھ کامیابی بھی ہوئی لیکن انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کے مقابلہ میں ان کو کوئی مستقل کامیابی حاصل ہونا ممکن نہ تھا۔

"جاٹ" اورنگ زیب کے آخری عہد میں جاٹوں کو عروج حاصل ہوا۔ انھوں نے دہلی اور آگرہ کے گردونواح میں اپنی گڑھیاں بنائیں اور تمام علاقہ میں لوٹ مار شروع کر دی۔ حد یہ ہے کہ اکبر کے مقبرے میں سے اس کی ہڈیوں کو نکال کر جلا یا۔ (وقائع عالمگیری چوہدری نبی احمد سندیلوی ص ۹۴-۹۵)

یہ برتاؤ اس اکبر کے ساتھ تھا جس نے بندرہ بن اور متھرا میں جگل کشور، گوپی ناتھ گوبند دیو وغیرہ مناد راپنے صرفہ سے جاٹوں کے لئے بنوائے تھے۔ (سمتھ: اکبر دی گریٹ مغل ص ۳۲۸ (۴))

جاٹوں کی گڑھیاں، دارالسلطنت سے اتنی قریب تھیں کہ حکومت کو ان سے مستقل خطرہ رہتا تھا۔ مغل فوجوں کی آمد و رفت اکثر اسی علاقوں سے ہوتی تھی اور ان کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

جاٹوں کے مظالم سے دہلی اور ارد گرد کے باشندے سخت پریشان ہو گئے تھے۔ ہرچرن داس۔ مصنف چہار گلشن شجاعی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جب جاٹوں نے لوٹ مار شروع کی تو دہلی کے باشندے گھبراہٹ اور پریشانی میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے، وہ دربدر، گلی بہ گلی مارے پھرتے تھے بالکل اسی طرح جیسے کوئی ٹوٹا ہوا جہاز ظالم موجوں کے رحم و کرم پر ہو۔ پاگلوں کی طرح ہر شخص پریشان حال اور گھبرایا ہوا نظر آتا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور مرزا مظہر جان جاناں کے مکتوبات سے دہلی کے باشندوں کی پریشانی کا اندازہ ہوتا ہے، شاہ صاحب ایک خط میں حافظ جار اللہ رح کو لکھتے ہیں۔

"دہلی میں ایک حادثۂ عظیم واقعہ ہوا۔ قوم جاٹ نے دہلی شہر کہنہ کو لوٹا اور

حکومت اس فساد و شرارت کو دفع کرنے سے عاجز رہی انھوں نے مال لوٹے عزت ولاموں کو برباد کیا اور مکانات کو آگ لگائی۔ . . . . . . اور یہ لوٹ مار کا حادثہ اوائل رجب ۱۱۶۱ھ میں ہوا اور آخر شعبان تک باقی رہا۔"

(شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات ص ۸۹)

"روہیلے" سترھویں صدی میں افغانوں کے کچھ جتھے ہندوستان آکر مختلف مقامات پر بس گئے۔ بریلی، شاہ جہانپور، فرخ آباد میں خاص طور سے ان کی نوآبادیات قائم ہوئیں۔ فرخ آباد کے افغانوں نے محمد خاں بنگش کی قیادت میں بڑا عروج حاصل کیا۔ بریلی کے افغان قبائل روہیلوں کے نام سے مشہور ہوئے اور انہوں نے اتنی تیزی کے ساتھ تنظیم کی کہ اٹھارہویں صدی کی سیاسی دنیا میں اپنے لئے ایک خاص جگہ پیدا کر لی۔

اٹھارویں صدی کے ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی طبقہ اگر عیش و عشرت کی زندگی سے محفوظ تھا تو وہ صرف روہیلے تھے ان میں عسکری صلاحیت اور سیاسی بصیرت کسی چیز کی کمی نہ تھی وہ مہلک امراض جنھوں نے سلطنت مغلیہ کے جسم کھوکھلا کر دیا۔ ان کو چھو کر بھی نہ گذرے تھے۔ حکمران کی حیثیت سے بھی ان کی شان امتیازی تھی سر جادو ناتھ سرکار نے لکھا ہے کہ اس معاملہ میں وہ مرہٹوں کے بالکل برعکس تھے۔ مرہٹے چوتھ وصول کرنے کے بعد کبھی یہ نہ سوچتے تھے کہ ان علاقوں کی نگہداشت کی اخلاقی ذمہ داری ان پر عاید ہوتی ہے یا نہیں۔ روہیلوں نے جن علاقوں پر حکومت کی ان کے باشندوں کو اپنی انصاف پسندی سے فتح کر لیا۔ جارج فارسٹر ۱۷۸۳ء میں روہیلوں کے علاقہ سے گذرا تو ان کے نظام حکومت سے بڑا متاثر ہوا وہ لکھتا ہے روہیلوں کے نام کی بھی

اس علاقہ میں عزت کی جاتی ہے انھوں نے اپنے مفتوحہ علاقوں میں فارغ البالی اور خوشحالی پھیلادی ہے۔ گاؤں سرسبزوشاداب ہیں اور ہر طرف ہی بحالی ہے۔

روہیلوں میں مذہبی جذبہ بدرجہ اتم تھا لیکن مذہبی تعصب نام کو نہ تھا۔ اکثر روہیلے مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کے مرید تھے اور ان سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ شاہ ولی اللہؒ اور نجیب الدولہ کے تعلقات بہت گہرے تھے شاہ صاحب اس کو رئیس الغزاۃ اور رأس المجاہدین کے لقب سے پکارتے تھے۔ روہیلوں نے ہندو دیوان کثرت سے ملازم رکھے تھے۔ نجیب الدولہ خاص طور پر ہندوؤں کے تہواروں کے موقعوں پر ان کا خیال رکھتا تھا۔

"بیرونی حملے"

اٹھارھویں صدی میں ہندوستان پر متعدد بیرونی حملے ہوئے ان حملوں نے ملک کے سیاسی اور اقتصادی حالات کو بد سے بدتر کردیا اور باغیانہ قوتوں کو ابھار کر ہر طرف انتشار وابتری کا ماحول پیدا کردیا۔

۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کا حملہ ہوا۔ شمالی ہند کے باشندوں کو عموماً اور دہلی کے باشندوں کو خصوصاً جن ہولناک مصائب کا سامنا کرنا پڑا اس کا اندازہ اس زمانہ کے لٹریچر سے کیا جاسکتا ہے۔ لوگوں میں خوف وہراس سے قنوطیت پست ہمتی کا یہ حال ہوگیا کہ وہ خودکشی پر آمادہ ہوگئے۔ مغلوں کے خلاف ملک میں جتنی طاقتیں تھیں ان کو اپنی قوت اور ذرائع بڑھانے کا موقع مل گیا۔ سکھوں، مرہٹوں اور جاٹوں نے پوری خوداعتمادی کے ساتھ شاہجہان اور اورنگ زیب کی دہلی پر حملے کرنے شروع کردیئے۔ شاہان مغلیہ کا اقتدار ختم ہوگیا بے حساب دولت ہندوستان سے باہر چلی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی اقتدار کے ساتھ ساتھ اقتصادی

طمانیت بھی ختم ہوگئی۔

پھر ۱۷۴۸ء سے ۱۷۶۸ء تک احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر نو حملے کئے ان حملوں کی تفصیل "شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات" میں بیان کی گئی ہے۔ اس کا چھٹا حملہ ہندوستان کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس نے ہندوستان کی سیاست کا رُخ بدل دیا اور مرہٹوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو ختم کر دیا۔

مجموعی طور پر اگر اٹھارہویں صدی کے ان حملوں پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے ملک کی سیاسی اور سماجی فضا کو اس درجہ خراب اور ہندوستانیوں کو اس قدر پست ہمت کر دیا کہ جب یہاں برطانوی سامراج کا سیلاب آیا تو ملک کے کسی گوشے میں بھی مضبوط بند نہ باندھے جا سکے۔

اگر ایک طرف ہندوستان کا اقتصادی نظام ابتر ہو چکا تھا تو دوسری طرف انگریزوں نے سب سے پہلے مسلمان حکومت کی اجازت سے ہندوستان میں آکر سب سے پہلے اس حصے پر قدم جمائے جو اس ملک کا سب سے زیادہ خوش حال علاقہ تھا۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں ہندوستان کا اقتصادی مرکز بنگال کی طرف منتقل ہوگیا تھا۔ اورنگ زیب تک کے اخراجات آخری زمانہ میں بنگال کے محاصل سے چلتے تھے انگریزوں کے بنگال پر مسلط ہو جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی اقتصادی شہ رگ ان کے قبضہ میں چلی گئی۔

بادشاہوں اور اُمراء کی تنگ نظری اور کوتاہ اندیشی کے باعث انگریزوں کو اپنا اقتدار بڑھانے کا موقع ملا۔ ۱۷۱۳ء میں فرخ سیر نے کمپنی کو بغیر محاصل اور چنگی کے ملک میں تجارت کرنے کی اجازت دیدی۔ پھر جعفر اور صادق جیسے لوگوں نے ان کو اپنی طاقت بڑھانے میں مدد دی۔ یہاں تک کہ برطانوی سامراج کے مضبوط شکنجے ہندوستان

میں جم گئے۔

مرہٹے، جاٹ، سکھ۔ تینوں کی ہنگامہ آرائی نے زندگی کو ایک مصیبت بنا دیا اور افغانوں کے حملوں نے تو جان ہی نکال لی۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے کرب و بے چینی کے عالم میں نجیب الدولہ کو خط لکھا۔ "ایک اہم بات یہ ہے کہ مسلمانان ہندوستان نے خواہ وہ دہلی کے ہوں خواہ اس کے علاوہ کسی اور جگہ کے۔ ۔ ۔ ۔ کئی صدمات دیکھے ہیں اور چند بار لوٹ مار کا شکار ہوئے ہیں چاقو ہڈی تک پہنچ گیا ہے رحم کا مقام ہے خدا کا اور اس کے رسول کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ کسی مسلمان کے مال کے درپے نہ ہوں"

(شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات ص ۶۲)

ان حالات میں شاہ جہان آباد (دہلی) ایسا اُجڑا کہ دُور دُور خاک اُڑنے لگی گھر گھر بے نور و بے چراغ ہو گئے، میر تقی میر نے اسی زمانہ میں لکھا تھا۔

جس جا کہ خس و خار کے اب ڈھیر لگے ہیں
واں ہم نے ان ہی آنکھوں سے دیکھی ہیں بہاریں

یا قافلہ در قافلہ ان رستوں میں تھے لوگ
یا ایسے گئے یاں سے کہ پھر کھوج نہ پایا

سرسری تم جہان سے گذرے
ورنہ ہر جا جہان دیگر تھا

اب خرابہ ہوا جہان آباد
ورنہ ہر ہر قدم پہ یاں گھر تھا

بے زری کا نہ کر گلہ غافل
رہ تسلی کہ یُوں مُقدّر تھا

"اقتصادی حالت"

اورنگ زیب نے تقریباً ۲۶ سال تک اپنی سلطنت کے سب ذرائع کا رُخ دکن کی جانب کر دیا تھا ان لڑائیوں میں کروڑوں روپیہ صرف ہوا تھا لیکن عالمگیر کے تدبّر، معاملہ فہمی، انتظامی قابلیت اور سیاسی بصیرت نے ملک کی اقتصادی حالت کو بگڑنے

سے بچالیا تھا۔ اس نے ان تمام اخراجات کے باوجود چوبیس کروڑ روپیہ آگرہ کے قلعہ میں چھوڑا تھا۔ (اردون لیٹر مغلز جلد ا ص ۲۱)

اس کے نااہل جانشینوں نے یہ روپیہ آنکھ بند کرکے پانی کی طرح بہایا۔ اُدھر ملک کے ذرائع محدود ہوتے چلے گئے اور رفتہ رفتہ سارا اقتصادی نظام متزلزل ہو گیا اور یہ سیاسی اور سماجی نظام کے گر جانے کا پیش خیمہ تھا۔

اورنگ زیب کا جانشین بہادر شاہ حد سے زیادہ فیاض تھا۔ اس کی فیاضی نے سلطنت کا مالی حالت کو تباہ کر دیا۔ پھر جہاں دار شاہ نے اپنی عیاشی میں بے دریغ دولت کو لٹایا۔ اس کی محبوبہ لعل کنور پر دو کروڑ روپیہ سالانہ خرچ ہوتا تھا۔ دربار میں عیش و طرب کی جو محفلیں سجتی تھیں ان میں اس کثرت سے چراغاں کیا جاتا تھا کہ دہلی میں تیل کی قلت ہو گئی تھی اور اس وجہ سے تیل کا نرخ بڑھ گیا تھا۔ فرخ سیر تخت پر بیٹھا تو حالات اور خراب ہو گئے اس کو گھوڑوں کا شوق تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں گھوڑے اس کے اصطبل میں بے کار بندھے رہتے تھے اور ہزاروں روپیہ روزانہ ان پر خرچ ہوتا تھا۔

احمد شاہ کے زمانے میں شاہی خزانے کی یہ حالت تھی کہ دو ڈھائی سال تک محلات کے ملازمین کو تنخواہیں نہیں ملتی تھیں بادشاہ کی ساکھ اس قدر گر گئی تھی کہ مہاجن اور ساہوکار بھی قرض دینے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے۔ اس زمانے میں شاہزادیوں کو تین تین دن کے فاقے کرنے پڑتے تھے سرسید احمد خان مرحوم لکھتے ہیں

"اکبر شاہ اگرچہ تخت نشین ہوئے مگر اخراجات کی تنگی کا وہی عالم تھا جو شاہ عالم کے وقت میں تھا۔ شاہ عالم ہی کے وقت میں اخراجات کی نہایت تنگی تھی۔ تمام

کارخانے ابتر ہوگئے تھے۔ شاہزادوں کو جو قلعے کے نو محلے میں رہتے تھے ماہواری روپیہ نہیں ملتا تھا اور چھتوں پر چڑھ کر چلاتے تھے کہ بھوکے مرتے ہیں بھوکے مرتے ہیں،،

(سیرت فریدیہ ص ۲۴-۲۳)

(پروفیسر اسپیر PROF SPEAR) لکھتا ہے کہ ان شہزادوں کو بھوک سے مرجانے دیا جاتا تھا۔ لیکن کوئی مزدوری یا ملازمت کرنے کی اجازت محض اس وجہ سے نہ ملتی تھی کہ یہ ان کے دون مرتبت تھا۔ ان کی حالت جانوروں سے بدتر تھی۔ فضول خرچی کے مرض میں امرا مبتلا تھے۔ راجہ جگل کشور کا واقعہ اس سلسلہ میں بڑا عبرت آموز ہے۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے "کنور آنند کشور کی شادی دہلی میں اس طرح کی کہ سارے شہر کو کھانے پر بلایا۔ جس کے متعلق یہ خیال ہوا کہ شاید "صلائے عام" کو اپنے لئے باعث ننگ سمجھ کر نہ آئے گا اس کے گھر پر خود گیا اور ان الفاظ میں مدعو کیا

"آپ کے بھتیجے کی شادی ہے اگر آپ شریک نہ ہوئے تو محفل بے رونق رہے گی" (مجموعہ نغز ص ۸۲ میر قدرت اللہ قادری)

کچھ ہی عرصہ بعد کا ذکر ہے کہ میر تقی میر اپنی عسرت و پریشان حالی سے مجبور ہو کر اس کے پاس گئے تو شرما کر کہنے لگا

"میرے پاس ایک پرانی شال ہے، کچھ اور مقدرت ہوتی تو اس سے دریغ نہ کرتا" (ذکر میر ص ۷۸)

یہ حال صرف جگل کشور ہی کا نہ تھا۔ ملک کے اکثر و بیشتر امراء اپنی فضول خرچیوں کی وجہ سے اسی انقلاب کا شکار ہو رہے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح نے سلطنت مغلیہ کے زوال کے اسباب میں

اقتصادی تباہی کے متعلق اپنی کتاب " حجۃ اللہ البالغہ " میں بڑی سیر حاصل بحث کی ہے ہر شخص اسے پڑھ کر اپنی معلومات میں اضافہ کر سکتا ہے ان کی نظر میں جاگیرداری اور اجارہ داری کی رسمیں ہی سب معاشی مصائب کا بنیادی سبب تھیں۔ ان کی وجہ سے معاشی زندگی کا توازن بگڑ گیا تھا۔ سوداگروں اور صنعت پیشہ لوگوں کی حالت سب سے زیادہ تباہ تھی حضرت شاہ ولی اللہؒ اہل حرفت کو ملک کی اقتصادیات کا مرکزی نقطہ سمجھتے تھے اور ان کی تباہ حالی پر سخت پریشان تھے۔

معاشرہ اور تمدّن

اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ہندوستان کے معاشرہ اور تمدّن کی خصوصیات کا جائزہ لینے کے لئے، دہلی کے تہذیبی حالات پر ایک نظر ڈال لینی چاہئے تاکہ دہلی کے محلاّت خانقاہوں، بازاروں اور ادبی محفلوں کا صحیح اندازہ ہو جائے۔

محلاّت شاہی

" بزم آخر " میں منشی فیاض الدّین نے دہلی کے آخری دو بادشاہوں، اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ کے طریق معاشرت کی تصویر پیش کی ہے۔ اس پوری تصویر میں صرف آسائش اور عیش کا رنگ بھرا ہوا ہے۔ رات اور دن جشن میں گذرتے تھے۔ کبھی تورے بندی ہے، کبھی رتجگہ، کبھی نوروز، کبھی آخری چہار شنبہ، کبھی خواجہ صاحب کی چھٹیاں، کبھی سلونو، کبھی پھول والوں کی سیر۔ غرض ہر طرف بزم ہی بزم ہے۔ اور قلعہ معلّیٰ کے باہر جو طوفان برپا ہے اس سے بے خبر اور فکر فردا سے بے نیاز ایسا معلوم ہوتا ہے " رقص پری پیکراں " میں ساری دنیا سمٹ کر آ گئی ہے۔

بازار

میر نے لکھا تھا ؎
دلّی کے نہ تھے کوچے اوراق مصور تھے   جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی

لیکن دو بازار تھے چوک سعد اللہ خاں اور چاندنی چوک۔ جو سارے شہر کی جان تھے۔ چوک سعد اللہ کی رونق کا یہ عالم تھا کہ اس کو دیکھ کر مرغ نظر کا شکار ہوتا تھا۔ کسی گوشہ میں اہل تنجیم و رمال نظر آتے تھے تو کسی طرف آتشک و سوزاک کی دوا بیچنے والے۔ ایک جانب "اسلحہ فروش" تھے، دوسری طرف میوہ فروش۔

(مرقع دہلی ص ۱۴ - ۱۵)

چاندنی چوک سب جگہوں سے زیادہ دلفریب تھا۔ کپڑا، جواہرات، عطریات وغیرہ کی وہاں دکانیں تھیں ہر وقت رؤسا کے جمگٹے لگے رہتے تھے ایک یتیم رئیس زادہ چاندنی چوک کی سیر کرنا چاہتا ہے۔ بیوہ ماں تہی تنگدستی کا عذر کرنے کے بعد اس کو ایک لاکھ روپیہ دیتی ہے اور کہتی ہے کہ چوک کے نوادرات اور نفائس اس قلیل رقم سے نہیں خریدے جا سکتے ہیں۔ مگر اب اسی قلیل رقم کو اپنے ضروری مصارف کے لئے لے جاؤ۔" (مرقع دہلی مقدمہ ص ۲۶)۔

میلے

دہلی کے میلے کیا تھے، عیش و نشاط کے ہنگامے تھے جہاں اوباش اور شہوت پرستوں کی محفلیں سجتی تھیں اور کوئی اخلاقی جرم ایسا نہ تھا جو وہاں نہ ہوتا ہو۔ ہر مہینے کی ۲۷ کو ایک ناگل کا میلہ ہوتا تھا۔ جہاں شوقین مزاج تماشہ بین عورتیں بن سنور کر پہنچتی تھیں اور ہر طرح کی عیاشی میں حصہ لیتی تھیں۔

(مرقع دہلی مقدمہ ص ۳۴)

ایک محمد شاہی امیر کسل سنگھ نے ایک محلہ کسل پوری آباد کیا تھا۔ جہاں

فواحشان روزگار اور زن ہائے بازاری کو بسایا تھا۔ محتسب کی مجال نہ تھی کہ وہاں قدم رکھ سکے ہر وقت وہاں چنگ و رباب کی آواز سنائی دیتی تھی۔

(مرقع دہلی مقدمہ ص ۴۴ - ۴۳)

اخلاق و مذہب

اٹھارویں اور انیسویں صدی میں مسلمانانِ ہند کی مذہبی اور اخلاقی حالت انتہائی زبوں تھی۔ فکر و عمل اخلاق و عادات، کردار و اطوار سب پر انحطاطی رنگ چھایا ہوا تھا۔ زندگی سکر دوام میں تبدیل ہو رہی تھی اور ہر قوم کو سیاسی زوال سے پہلے اور اس کے بعد جو اخلاقی زوال کی منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں وہ نہایت سرعت کے ساتھ طے کی جا رہی تھیں۔ اخلاقی قدروں کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی تھی اور سماجی نظام کا سارا ڈھانچہ بگڑ رہا تھا کسی بزرگ نے کیا ہی اچھا کہا ہے ؎

وهل افسد الدين الا الملوك   واحبار سوء و رهبانها

دین کو بادشاہوں بڑے علماء اور پیروں نے خراب کیا۔

اورنگ زیب کے جانشینوں کی اخلاقی حالت اور عوام پر اس کے اثرات دیکھکر اس کلیہ کی حقیقت پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے۔ مغل بادشاہوں کی ہر بے راہ رَوِی کا اثر عوام کی زندگی پر پڑتا تھا اور عیش و عشرت کی جو محفلیں دربار میں سجتی تھیں ان کے مہلک جراثیم جھونپڑوں تک اپنا کام کرتے تھے۔

بہادر شاہ کے بعد جہاندار شاہ (۱۷۱۲ء - ۱۱۲۴ھ) تخت پر آیا۔ اس نے حکومت کی باگ ڈور ایک ناچنے والی عورت لعل کنور کے ہاتھ میں دیدی۔ اس کی ابروئے چشم کے اشارہ پر لوگوں کی قسمتیں بنتی اور بگڑتی تھیں۔ کوئی ایسا

اخلاقی، سماجی اور انسانیت کا گناہ نہ تھا جو اس عورت کے اثر میں نہ کیا گیا ہو۔ لعل کنور نے ایک دن اس سے کہا کہ میں نے ڈوبتی کشتی میں آدمیوں کی جو حالت ہوتی ہے وہ نہیں دیکھی۔ حکم شاہی ہوا کہ یہ خواہش بھی پوری کر کے دکھا دی جائے۔

(عبرت نامہ کامراج بحوالہ لیٹر مغلز جلد ا ص ۱۹۲)

خود بادشاہ کا یہ عالم تھا کہ لعل کنور کے ساتھ بازاروں میں پھرتا تھا۔ اور اس کے ساتھ شراب خانوں میں شراب پیتا تھا۔ ہندوؤں کی رسوم میں دلچسپی کا یہ حال تھا کہ راون کے قلعے بنوا کر آگ لگاتا تھا' (مرات واردات قلمی)۔

جہاندار شاہ کی عیش وعشرت کی زندگی نے عوام کی زندگی پر بھی اثر ڈالا۔ اور جہاندار شاہ کے جانشین فرخ سیر (۱۷۱۲-۱۹ ۱۷ ء) میں سب سے بڑی برائی اس کی کمزوری تھی۔ اس کی کمزوری سے ملک میں متعدد فتنے کھڑے ہو گئے، اور اسی وجہ سے آخر میں اسے قید ہونا پڑا۔ محمد شاہ افیم کا شوقین تھا اور عیش وعشرت کا دلدادہ۔ دن رات حرم میں پڑا رہتا تھا۔ ۲۸ سال دور حکومت میں اگر وہ کبھی محل سے باہر نکلا ہے تو صرف لونی پارک میں گھومنے کے لئے یا گڈھ کا میلہ دیکھنے کے لئے اس کے جانشین احمد شاہ کی عیش پرستی کا بھی یہی عالم تھا کہ ایک میل تک اس کا زنانہ محل تھا۔ ہفتوں تک کسی مرد کی شکل اس کے سامنے نہ پڑتی تھی شاہ عالم ثانی کے دربار کا حال پولیر نے لکھا ہے وہ مطالعہ کے قابل ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان بادشاہوں کے مشاغل، ذہنی اور فکری صلاحیتیں کیا تھیں اور وہ کس حد تک اس زمانے کے سیاسی نظام کو سنبھالنے کی قابلیت رکھتے تھے۔ سلاطین کی عادتوں اور دلچسپیوں کی نقل امراء کرتے تھے۔ اٹھارہویں صدی میں اُمراء کے گھر عیاشی کے اڈے تھے۔ مخرب اخلاق عادتیں ان کا معمول تھیں اور اُن کے ضمیر کی آواز اتنی دھیمی پڑ چکی

تھی کہ کبھی انھیں بھول کر بھی یہ خیال نہ آتا تھا کہ ان کی حرکات اخلاق و مذہب کی توہین ہیں۔

صوفیاء خام اور علماء کی حالت

"اگر احبار یہود کی حالت دیکھنا چاہو تو آجکل کے علماء کو دیکھ لو اور اگر عیسائیوں کا نقشہ دیکھنا چاہتے ہو تو آجکل کے مشائخ کے سامنے بیٹھ کر کھینچ لو" (فوز الکبیر ص)

ان الفاظ میں اٹھارویں صدی کے سب سے بڑے عالم حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح نے اپنے ہم عصر علماء کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے کے صوفیۂ خام اور علماء سوء صدہا قسم کی گمراہیوں کا شکار تھے اور ان کی گمراہی کا اثر ہر کہ و مہ پر پڑتا تھا۔ دنیا پرستی سے زیادہ بڑی کوئی لعنت علماء کے لئے نہیں ہوسکتی اس دور کے علماء اسی میں گرفتار تھے اور مختلف اُمراء اور رؤساء سے منسلک ہو کر سیاست میں حصّہ لے رہے تھے ایسی سیاست جس کا مقصد دوسروں کی فلاح و بہبود نہ تھا بلکہ اپنے لئے جاہ و منزلت کا حاصل کرنا تھا۔ علماء کی اس دنیا پرستی کے خلاف کبھی حضرت مجدّد الف ثانی رح نے آواز اٹھائی تو کبھی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح اور ان کے خاندان اور ان کے منسلکین نے اس رجحان کے خلاف جنگ کی۔ اس دور کے علماء عموماً یونانی علوم میں پھنسے ہوئے تھے ان کا سارا وقت دُور از کار بحثوں میں صرف ہوتا تھا۔ قرآن و حدیث سے ان کا رابطہ تقریباً ٹوٹ چکا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رح نے کہا کہ

"یاد رکھو! علم یا تو قرآن کی کسی آیتِ محکم کا نام ہے یا سنّتِ ثابتہ قائمہ کا"

صوفیۂ خام کا حال اس سے بھی بدتر تھا انھوں نے نہ صرف مشائخ متقدمین کی

روایات کو فراموش کر دیا تھا بلکہ غیر اسلامی فکر و کردار ان کا سرمایۂ زندگی بن گیا تھا۔ تصوف کے سرچشمے قرآن و حدیث سے ہٹ کر ویدانت اور اپنیشد کی طرف منتقل ہو گئے تھے عملیات، تعویذ اور گنڈوں میں حد سے زیادہ اعتقاد بڑھ گیا تھا۔ پیر کی غیر شرعی حرکات حجت شرعی سمجھی جاتی تھیں۔

جب بادشاہ، علماء اور صوفیہ ہی صدہا اخلاقی عیوب اور دینی گمراہیوں میں مبتلا تھے تو عام مسلمانوں کی زندگی کا ذکر ہی بے کار ہے "النامس علی دین ملوکھم" قرون وسطیٰ کا ایک ناقابل تردید اصول تھا۔ اس دور میں عالموں، صوفیوں اور عام مسلمانوں کی حالت کا جائزہ لینے کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تصانیف کا مطالعہ ضروری ہے انہوں نے ملت اسلامیہ کی بیماریوں کا تجزیہ بڑی بالغ نظری کے ساتھ کیا ہے اور اس کی ایک ایک دکھتی ہوئی رگ کو پکڑا ہے۔ یہ سیاسی اور سماجی حالات تھے جن کی وجہ سے غیر ملکی طاقت نے فائدہ اٹھایا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی حکومت کا پھریرا سوائے اس حصہ کے جس پر سکھ قابض تھے۔ تمام ہندوستان پر لہرانے لگا۔ ہندوستان کی نہ صرف مغل حکومت بلکہ اس ملک کے علماء، صوفیاء اور عوام تک کچھ نہ کر سکے۔ آگے بڑھنے سے پیشتر ان واقعات کو ایک بار پھر بنظر غائر دیکھ لیں۔

۱ ۔ اورنگ زیب اور شاہ عالم ثانی کے درمیان جتنے بادشاہ بھی گذرے ہیں ان میں سے پورے اختیار کے ساتھ اطمینان سے حکومت کا موقعہ کسی کو بھی میسر نہ ہوا اور محمد شاہ کے سوا کوئی معتد بہ عرصہ تک بھی حکومت نہ کر سکا۔

۲ ۔ جہاندار شاہ قتل ہوا۔ فرخ سیر کو اندھا کر کے قید اور پھر قتل کیا گیا۔

رفیع الدّرجات چار ماہ بھی حکومت نہ کرسکا تھا کہ مرگیا۔ رفیع الدّولہ کی حکومت بھی تقریباً چار ماہ رہی۔ احمد شاہ اندھا کرکے قید کیا گیا اور عالمگیر ثانی قتل ہوا۔

۳۔ غوریوں سے لودھیوں تک تمام حکمران خانوادے سُنّی، حنفی تھے۔ مغل شہنشاہ ہمایوں کے بعد سے جس نے سوریوں کے مقابلے میں ایرانیوں کی مدد سے فتح حاصل کی تھی۔ ہندوستان کی ملکی سیاست میں ایرانی دخیل ہوگئے۔ رفتہ رفتہ ان کا اقتدار بڑھا اور تورانی اور ایرانی دو مخالف بلکہ متحارب گروہ بن گئے اور ان کے باہمی نزاعات مرکز کو کمزور سے کمزور تر کرتے گئے۔ بقول مولانا مناظر احسن گیلانی کہ ان سارے فتنوں کی بنیاد شیعیت اور سنیت کا جھگڑا ہی تھا۔ اور آخری مغلیہ دور کی تاریخ انہی دو گروہوں کے جنگ و جدال کی تاریخ ہے

۴۔ سادات بارہہ نے فرخ سیر کے برسر اقتدار آنے کے بعد سے محمد شاہی عہد تک سلطنت مغلیہ کو ۹ سال تک نقصان پہنچایا اور اپنا اقتدار چلانے کی کوشش کرتے رہے۔

۵۔ جنوبی ہند کی مرہٹہ تحریک شیواجی کی سرکردگی میں ابتدا ہی سے سیاسی تحریک تھی اس کا رُخ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تھا۔ انھوں نے اگست ۱۷۵۷ء میں جاٹوں کی مدد سے دہلی پر حملہ کیا نجیب الدّولہ کو مجبور ہو کر صلح کرنی پڑی۔ پھر مرہٹوں نے اپریل ۱۷۵۸ء میں لاہور پر قبضہ کرلیا۔ ۲۔ اگست ۱۷۶۰ء کو مرہٹوں کے سپاہ سالار بھاؤ نے لال قلعہ پر قبضہ کرلیا اور شاہی حرم سرا کے ساتھ سلطنت کے تمام کارخانے ان کے تصرف میں آگئے۔ احمد شاہ ابدالی نے ۱۴۔ جنوری ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کا خاتمہ کردیا۔

۵ ۔ نیز جاٹ دہلی اور آگرہ کے درمیان آباد تھے اور متھرا اور دہلی کی سڑک پر گویا ان کی عملداری تھی وہ عہد زوال میں جب چاہتے اس سڑک کو ناقابل گذر بنا دیتے تھے۔ جاٹوں کے ہاتھوں دہلی کے لٹنے کا ذکر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں کیا ہے۔ آپ حافظ جاراللہ (پنجابی) کو لکھتے ہیں۔

"دہلی میں ایک حادثۂ عظیم واقعہ ہوا، قوم جاٹ نے دہلی کے شہر کہنہ کو لوٹا اور حکومت اس فساد و شرارت کو رفع کرنے سے عاجز رہی۔ انھوں نے مال لوٹے عزت و ناموس برباد کئے اور مکانات کو آگ لگا دی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مع اہل و عیال و مکانات کے ان کے دست ستم سے محفوظ رکھا . . . اور یہ لوٹ مار کا حادثہ اوائل رجب ۱۱۶۱ھ میں ہوا اور آخر شعبان تک باقی رہا۔" (سیاسی مکتوبات ص ۱۵۳)

۶ ۔ نادر شاہ نے ۱۷۳۹ء میں حملہ کیا۔ سید برادران کے خاتمہ کے بعد ایرانی گروہ کی طاقت چونکہ کمزور پڑ گئی اس لئے کہتے کہ انھوں نے نادر کو حملہ کی دعوت دی۔ عید قربان کے تین چار دن بعد قتل کرنا شروع کیا آٹھ نو گھنٹے قتل عام جاری رہا جس میں کم از کم تیس ہزار اور زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ آدمی مارے گئے لوٹ مار کا سلسلہ ہفتوں تک جاری رہا۔

۷ ۔ احمد شاہ ابدالی وفات ۲۳۔ اکتوبر ۱۷۷۲ء نے ۱۷۴۸ء سے ۱۷۶۹ء تک نو بار ہندوستان پر حملے کئے اور ۱۷۶۰ء میں اس نے جو حملہ کیا اس کا سبب خود ہندوستان کے لوگوں کی دعوت تھی کہ یہ لوگ مرہٹوں سے تنگ آ چکے تھے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اگرچہ اپنے خط میں احمد شاہ ابدالی کو یہ نصیحت بھی کی تھی کہ مسلمانوں کو نہ لوٹا جائے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کی فوجوں نے دہلی کو بلا امتیاز ہندو و مسلم خوب لوٹا۔

۸ ۔ سکھ تحریک شمال مغرب سے اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی حکومت پنجاب ملتان کا کچھ حصہ ۔ جمنا اور ستلج کے درمیان کا سب سے بڑا علاقہ سکھ رئیسوں اور سرداروں کے قبضہ میں تھا۔ شمال مغرب میں دریائے سندھ مشرق میں جموں کی ریاست۔ جنوب میں انگریزی عملداری اور حصار اور جیسلمیر کے ریگستان ان کے وسیع اقتدار کی سرحدیں تھیں۔

۹ ۔ ۱۶۱۳ء تا ۱۸۳۴ء سکھوں کے علاقہ کے سوا سارے ہندوستان پر انگریز کی حکومت تھی۔

انگریزوں نے ہندوستان کی سرزمین پر جس طرح قبضہ جمایا اس کی کیفیت ذیل میں سن وار مختصراً لکھی جاتی ہے۔

۱ ۔ ۱۷۵۷ء چوبیس پرگنہ (بنگال) اور نواحی دِہات نواب بنگال سراج الدولہ سے لڑ کر حاصل کئے۔

۲ ۔ ۱۷۵۸ء مسولی پٹم (دکن) نظام دکن سے انعام کے طور پر لئے۔

۳ ۔ ۱۷۶۰ء بردوان اور چاٹگام۔ نواب بنگال سے رشوت دے کر حاصل کئے۔

۴ ۔ ۱۷۶۵ء بنگال، بہار اور اڑیسہ۔ شہنشاہ دہلی شاہ عالم ثانی کی رائیگان بخشی۔

۵ ۔ ۱۷۶۵ء مدراس کی جاگیر۔ نواب ارکاٹ سے انعام کے طور پر۔

۶ ۔ ۱۷۶۶ء شمالی سرکار کے اضلاع۔ نظام دکن سے انعام کے طور پر۔

۷ ۔ ۱۷۷۵ء بنارس کی زمینداری۔ وزیر اودھ کو ڈرا کر حاصل کی۔

۸ ۔ ۱۷۷۶ء سالسٹ کا جزیرہ۔ مرہٹوں سے خریدا۔

۹ ۔ ۱۷۷۸ء ناگور کا شہر اور قلعہ تنجور کے راجہ سے ہتھیا لیا۔

۱۰ ۔ ۱۷۷۸ء گنتور سرکار کے اضلاع ۔ نظام دکن سے خدمات کا معاوضہ

۱۱ ۔ ۱۷۹۲ء ملیبار اور نواحی علاقے۔ ٹیپو سلطان سے لڑ کر۔

۱۲ ۔ ۱۷۹۹ء کنارا کو ئمبٹور وغیرہ ۔ ٹیپو سلطان سے لڑ کر حاصل کئے۔

۱۳ ۔ ۱۷۹۹ء تنجور راجا تنجور پر دباؤ ڈال کر۔

۱۴ ۔ ۱۸۰۰ء میسور کی ولایات نظام دکن سے انعام کے طور پر۔

۱۵ ۔ ۱۸۰۱ء کرناٹک نواب کرناٹک پر دباؤ ڈال کر۔

۱۶ ۔ ۱۸۰۱ء گورکھپور ۔ بریلی وزیر اودھ سے دباؤ ڈال کر۔

۱۷ ۔ ۱۸۰۲ء بندیل کھند مرہٹہ پیشوا سے لڑ کر۔

۱۸ ۔ ۱۸۰۳ء کٹک اور بالاسور راجا برار پر دباؤ ڈال کر۔

۱۹ ۔ ۱۸۰۳ء دہلی کی ولایت گوالیار کے مرہٹہ راجا سندھیا سے لڑ کر۔

۲۰ ۔ ۱۸۰۵ء گجرات کاٹھیاواڑ کے بعض حصے مرہٹہ راجا گائیکواڑ سے لڑ کر۔

۲۱ ۔ ۱۸۱۸ء کاندیش وغیرہ مرہٹہ راجا ملکر سے لڑ کر۔

۲۲ ۔ ۱۸۱۸ء اجمیر مرہٹہ راجا سندھیا پر دباؤ ڈال کر

۲۳ ۔ ۱۸۱۸ء پونا اور مہاراشٹر مرہٹہ پیشوا سے لڑ کر

۲۴ ۔ ۱۸۱۸ء نربدا پر کے بعض اضلاع راجا برار پر دباؤ ڈال کر۔

۲۵ ۔ ۱۸۲۶ء آسام۔ اراکان اور تنا سرم آوا کے راجا سے لڑ کر لے لئے

باب دوم

سکھوں کے خلاف جہاد

سکھوں کی ملک گیری کی ہوس میں پٹھانوں سے لڑائی

اور پنجاب میں مسلمانوں پر مظالم

پایہ تخت دہلی کے کمزور ہوتے ہی جملہ صوبہ دار آزاد ہونے لگے۔ پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے سب سے اوّل اپنے سکھ بھائیوں پر ہاتھ صاف کیا لہنا سنگھ کو پشاور سے بیدخل کر کے اس شہر پر قبضہ کیا۔ امرتسر کو سکھوں سے چھینا اور اس نواح کے ایک سو قلعوں کو فتح کر کے انہیں اپنے قبضے میں لایا اور اکالیوں کی طاقت کو توڑ کر خود تمام شمالی پنجاب کا مالک بنا۔ ستلج سے جانب جنوب سکھ ریاستوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی پناہ لی اور ۱۸۰۹ء کے معاہدہ کی رُو سے اس جانب انگریزوں کی سلطنت کا بند لگ گیا۔

سکھوں کے لئے ملک گیری ایک نئی چیز تھی اور ان کی فوج زیادہ زور آور اور بے قابو اور متعصب تھی اس لئے کامیاب ہونے پر اس نے مسلمان رعایا پر زیادتیاں کرنی شروع کر دیں۔

۱۷۹۹ء میں رنجیت سنگھ نے لاہور کو جس کا پروانہ حکومت شاہ زمان

سے مل گیا تھا۔ اس کو شکست دینا غیر منظم افغانی قبائل اور پنجاب کی چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کے بس کی بات نہ تھی۔ رنجیت سنگھ نے ایک ایک کر کے وہ تمام ریاستیں اور صوبے جو خود مختار سکھ سرداروں اور مسلمان حکمرانوں کے پاس تھے فتح کر لئے۔ جن مسلمانوں نے نذرانہ دینے سے انکار کیا اور مقابلہ کیا۔ ان کو نیم تربیت یافتہ وحشی اور فتح کے نشے میں سرشار فوجوں کے ہاتھوں سخت ذلت و عذاب کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے شہر اکالیوں اور خالصہ فوج کے ہاتھوں بُری طرح تباہ و برباد ہوئے اور مسلمان رعیت کو لرزہ خیز مظالم کا نشانہ بننا پڑا۔

جھنگ کے حالات

احمد خاں رئیس جھنگ کی شکست کے بعد سکھوں نے شہر کو لوٹ لیا اور تمام رعیت کو روٹی کے ٹکڑوں کا محتاج کر دیا۔ اس بات کی فریاد چودھریوں نے مہاراج سے کی تو کہا کہ ہماری فتح یاب فوج فتح کے وقت بے بس ہوتی ہے۔

مُلتان کے حالات

نواب مظفر خاں والئ ملتان اور اس کے جواں مرد بیٹوں کی دست بدست جنگ اور دلیرانہ شہادت کے بعد ملتان حملہ آوروں کے رحم وکرم پر تھا چار پانچ سَو مکانات پیوند زمین ہو گئے کسی کے پاس روٹی کا ایک ٹکڑا نہ رہا شہر میں مکانات کو آگ لگا دی گئی اور سب کچھ لے لیا گیا۔ سیکڑوں آدمی برہنہ کر دیئے گئے عورتوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا گیا۔ بہت سی شریف عورتوں نے کنوؤں میں گر کر جان دی اور عزت بچائی۔

قصُور کے حالات

قصُور میں سکھوں نے لوگوں کے بدن کے کپڑے

تک اُتار لئے عورتیں ننگے سر، ننگے بدن، بے ستر ہو کر جا بجا اپنے آپ کو چھپاتی پھرتی تھیں مگر کوئی جگہ امن کی نہ ملتی تھی بہت سی اشراف عورتیں جنھوں نے کبھی بیگانے مرد کی صورت نہیں دیکھی تھی اپنے ہاتھ سے پھانسی لے کر مرگئیں کئی کنوؤں میں کود پڑیں۔ غرض ہر ایک امیر و غریب شہر کا رہنے والا ایسا لٹا کہ پارۂ نان کو محتاج ہوگیا۔ بڑے بڑے مکانوں کو سکھوں نے آگ سے جلا دیا۔ بہت سی جوان عورتیں اور لڑکیاں اور لڑکے سکھوں نے شہر سے پکڑ لئے اور غلام بنانے کے ارادے سے اپنے پاس رکھ لئے۔ ہری سنگھ نلوہ کے متعلق ایک مورخ لکھتا ہے

"وہ صرف اسی خوف و ہراس کے سہارے حکومت کرتا تھا جو لوگوں پر بیٹھی ہوئی تھی اور اہل ملک کے لئے ایک خوفناک شخصیت کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور ایک روایتی آدم خور اور وحشی انسان کی طرح ہزارے کے علاقے میں مشہور تھا۔ اب بھی مائیں اس کا نام لے کر رونے والے بچوں کو چُپ کراتی ہیں۔"

یہی شہرت بھولا سنگھ اکالی اور بعض دوسرے فوجی سرداروں اور صوبے داروں کے متعلق تھی۔

پشاور پر سکھوں کا قبضہ

۱۸۱۸ء میں رنجیت سنگھ کو اطلاع ملی کہ پشاور میں اس کے مقابلے کے لئے کوئی منظم فوج نہیں ۲۰ رنومبر ۱۸۱۸ء کو اس نے پشاور پر قبضہ کر لیا۔ یار محمد خاں نے سکھوں کی آمد پر پشاور چھوڑ کر یوسف زئی کے پہاڑوں پر پناہ لی مہاراجہ نے شہر کو تباہی سے بچالیا مگر اس علاقے کے مشہور بزرگ شیخ عمر کی قبر کو آگ لگا دی۔ ارباب اور شہر کے سر برآوردہ لوگوں سے پچیس ہزار کی رقم نذرانے میں وصول کی۔ مہاراجہ نے

پشاور کو اپنے ایک وفادار جہاندار خاں وزیرِ فیل کو سپرد کر کے لاہور کو کوچ کیا۔ بعد میں دوست محمد خاں نے پچاس ہزار کی ہنڈی اور گھوڑے پیش کر کے پشاور کو دوبارہ حاصل کر لیا۔ اس وقت پشاور اور یوسف زئی کا علاقہ حکومت لاہور کا باج گذار بن گیا۔ ہر سال خالصہ لشکر اس علاقے میں آ کر سالانہ تحائف وصول کرتا اور واپس چلا جاتا۔

محمد عظیم خاں جو اس خاندان کا سب سے معزز آدمی تھا پشاور کی اس ماتحتی اور یار محمد خاں کی اس بے حمیتی سے ناراض تھا۔ اسی سال ۱۸۲۳ء میں اس نے خیبر پار کے علاقے کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اور سکھوں کے خلاف اعلان جہاد کر دیا۔ اپنے بھائی عبدالصمد خاں کو اس نے یوسف زئی قبائل میں جہاد کی تبلیغ کے لئے بھیجا۔ سوات، بنیر، آفریدیوں کے علاقے اور خٹک سے بھی ہزاروں مجاہدین جمع ہو گئے۔ رنجیت سنگھ کی فوجیں اکوڑہ میں داخل ہوئیں۔ بیس ہزار کوہستانی خٹک اور یوسف زئی مجاہدین اپنے پیرزادوں اور مشائخ و علماء کی تبلیغ و اثر سے دریا کی بائیں جانب مقدس دینی جنگ لڑنے جمع ہوئے۔ دائیں جانب محمد عظیم خاں دوست محمد خاں کے ساتھ باقاعدہ افغانی فوج کے ساتھ موجود تھا۔ رنجیت سنگھ نے سردار کھڑک سنگھ کو جنرل الارڈ اور جنرل وینٹور کے ساتھ محمد عظیم خاں کو روکنے کے لئے دریا کے اس پار بھیج دیا۔ اور خود اپنی اصلی طاقت کے ساتھ یوسف زئی مجاہدوں کے مقابلہ پر رہا۔ جنھوں نے دریا کے بائیں جانب نوشہرے کے قریب بلندیوں کے گرد اپنے مورچے قائم کر رکھے تھے۔

افغان بہادروں نے اس موقعہ پر سخت مقابلہ کیا اور بڑی بے جگری سے لڑے۔ انھوں نے اس سے پہلے کبھی سکھوں کے خلاف اتنی منظم جنگ نہیں کی تھی اور نہ کبھی اس دینی جوش اور جذبہ جہاد سے لڑے تھے تمام دن خون آشام جنگ رہی

جس میں مجاہدین کا پلڑا نمایاں طور سے بھاری رہا اور ہزاروں سکھ مقتول و مجروح ہوئے جن میں بڑے بڑے نامور سردار اور آزمودہ کار افسر تھے۔ مقتولین میں مشہور اکالی سردار پھولا سنگھ بھی تھا۔ اخیر وقت میں رنجیت سنگھ نے خود ایک اہم مورچہ پر پوری طاقت سے حملہ کیا شام کے وقت سکھوں کا پلڑا بھاری ہو گیا۔ بالآخر بہادر افغانوں نے رنجیت سنگھ کی منظم اور قواعد داں فوج سے شکست کھائی اور تین ہزار اور ایک روایت کے مطابق دس ہزار افغانی مقتول و مجروح ہوئے۔

دوسرے دن افغانوں نے پیرزادہ محمد اکبر کی قیادت میں دوبارہ مقابلے کی تیاری کی مگر محمد عظیم خاں کو جس کو دریا پار کر دیا گیا تھا اپنے خزانے اور حرم کی فکر ہوئی جو میچنی میں تھا۔ اور جسے سکھوں کے ہاتھوں میں پڑ جانے کا خطرہ تھا۔ اس نے اپنا ڈیرہ اکھیڑ لیا اور خزانہ، حرم اور باقی ماندہ فوج لے کر مہمند کے پہاڑوں کو عبور کر کے چلا گیا افغان تنہا رہ گئے اور آخر کار مجبور ہو کر منتشر ہو گئے۔

نوشہرہ کے معرکے میں فتح حاصل کرنے کے بعد سکھ فوج نے پشاور پر قبضہ کر لیا۔ اگرچہ شہر لوٹ مار سے محفوظ رہا۔ مگر فتح یاب لشکر نے پشاور سے خیبر تک خوب لوٹ مار کی شاید ہزار برس کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ "یہ خالص اسلامی علاقہ غیر مسلم حکومت میں آیا" مہاراجہ رنجیت سنگھ نے یار محمد خاں اور دوست محمد خاں کو مخفی طور پر دعوت دی انھوں نے رنجیت سنگھ کو پانچ گھوڑیاں نذر کیں جن میں مشہور گھوڑی گوہر بار تھی۔ مہاراجہ نے پشاور پر براہ راست قبضہ رکھنے کی دشواریوں کو سمجھتے ہوئے ان دونوں بھائیوں کی خدمات کے صلے کے طور پر پشاور کو ان کے انتظام میں دیدیا اور وہ دوبارہ دربار لاہور کا ایک باجگذار علاقہ بن گیا۔

نوشہرے کی شکست نے افغانوں کی کمر توڑ دی اوران میں مایوسی اوراحساس کمتری پیدا کر دیا محمد عظیم خاں کو شکست اور اپنے بھائیوں کی بے وفائی کا سخت قلق تھا وہ اس صدمے سے جان بر نہ ہو سکا اور اسی سال بڑی شکستہ دلی کے ساتھ دنیا سے چلا گیا۔ اس طرح اس خاندان کا رہا سہا وقار جاتا رہا۔ اور اس کا شیرازہ بکھر گیا۔

۱۸۱۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جبار خاں سے جو محمد عظیم خاں کا بھائی اور کشمیر میں اس کا نائب تھا کشمیر کا صوبہ بھی حاصل کر لیا تھا۔ پشاور، مردان، یوسف زئی کا علاقہ اور پکھلی اور ہزارہ، سب سکھ فوجوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال تھا۔ ۱۸۲۲ء میں پکھلی اور دھمتور کے قبائل نے حکومت لاہور کے خلاف بغاوت کی۔ سردار ہری سنگھ کو جس کی جاگیر میں یہ علاقہ دیا گیا تھا سرکوبی کے لئے بھیجا گیا ہری سنگھ نے سارے علاقے میں اپنی فوجی کاروائیوں اور سخت گیری سے دہشت پھیلا دی۔ جو گاؤں بے قصور تھے ان کو بھی تلوار کی نوک پر رکھ لیا۔ پکھلی اور دھمتور کو جلا دیا گیا۔ ہزاروں آدمی بے خانماں ہو گئے ہری سنگھ کا بہادر افغانوں پر ایک خوف اور رعب طاری ہو گیا۔ دریائے اٹک سے لے کر کابل تک سکھوں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی والیٔ پشاور دربار لاہور کا حقیر باجگذار تھا۔ نوشہرے کی جنگ کے بعد بہادر افغانوں کی قوت مقابلہ جواب دے چکی تھی قومی ذلت اور شکست خوردگی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔

قادیان کے حالات

مرزا عطا محمد چوراسی یا پچاسی گاؤں کا مالک تھا اسی کے زمانہ میں سکھا شاہی پورے پنجاب پر مسلط ہو گئی اور قادیان کی یہ ریاست بھی سکھ اقتدار کے زیر نگیں

ہو گئی جیسا کہ لکھا ہے۔

"دیوان سنگھ پسر تارا سنگھ ملک کو تاخت و تاراج کرتا تھا یہاں تک کہ اس نے تعلقہ قادیان مغلاں کو جہاں (مرزا) عطا محمد پسر مرزا گل محمد مقیم تھے زبردستی لے لیا اور مغلوں کو اپنے گھروں سے نکال دیا۔"

(عمدۃ التواریخ دفتر اول و دوم)

رام گڑھیا نسل کے سردار جتنا سنگھ کے مظالم سے تنگ آ کر مرزا عطا محمد صاحب اپنے خاندان سمیت کپورتھلہ کی ریاست میں بمقام بیگووال پناہ گزین ہونے پر مجبور ہو گئے یہ ۱۸۰۲ء یا ۱۸۰۳ء کا حادثہ ہے جبکہ یہ ریاست راجہ فتح سنگھ کے قبضہ میں رہی تخمیناً ۱۸۱۴ء میں مرزا عطا محمد صاحب وفات پا گئے۔ اور یہ خاندان بظاہر بالکل بے سہارا رہ گیا اور یہ حالت تقریباً بیس برس تک قائم رہی۔ اور آخر ۱۸۳۴ء یا ۱۸۳۴ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کو واپس بلا کر قادیان کی ریاست کے پانچ گاؤں واپس کر دیئے۔ جو چودہ سال تک ان کے پاس رہے پھر جب ۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء کو پنجاب کا سلطنت انگریزی سے الحاق عمل میں آ گیا تو جہاں دوسرے باغی سرداروں کی جاگیروں کے ساتھ قادیان کی جاگیریں بھی چھن گئی اور مرزا غلام مرتضیٰ کے لئے سات سو روپیہ پنشن مقرر کر دی گئی۔ اور قادیان اور اس کے ساتھ تین ملحقہ مواضعات پر بشرح پانچ فیصدی حقوق تعلقہ داری حاصل رہے۔" (روسائے پنجاب طبع اول) مرزا غلام مرتضیٰ اپنے علاقہ کے مشہور رئیس تھے۔"

لاہور کے حالات

رائے بہادر کنہیا لال ایگزیکٹو انجینئر اپنی کتاب "تاریخ لاہور" میں شاہی مسجد کے متعلق لکھتے ہیں۔

"بادشاہی مسجد کی آرائش کا سامان فرش، جھاڑ، فانوس وغیرہ لاکھوں روپیہ کا تھا جب زمانے نے پلٹا کھایا اور سکھی سلطنت ہوئی تو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وقت کبھی اس میں توپ خانہ، کبھی پلٹن اور رسواری کی فوج کی چھاؤنی رہا کرتی تھی۔ حجروں میں میگزین بھرا رہتا تھا سکھ لوگ پتھروں کی سلیں اکھاڑ کر لے گئے۔"

مستی دروازے کی مسجد

جب رنجیت سنگھ کی سلطنت ہوئی تو اس مسجد پر سرکاری تسلط ہو گیا اور بارود بھر لی گئی سالہا سال اس میں بارود بنتی رہی۔ یہاں تک کہ بارود خانے والی مسجد مشہور ہو گئی۔

سنہری مسجد

جب باولی کا مکان مسجد سے متصل بن گیا اور اس میں گرنتھ صاحب رکھا گیا تو باولی کے بھائی سنگھ اور اکالیہ اس مسجد کے در پے ہو گئے اور مہاراجہ کی خدمت میں عرض کی کہ اس مسجد کا ملا بآواز بلند اذان دیتا ہے تو ہمارے کان میں پڑتی ہے یہ مسجد بھی باولی کے ساتھ شامل ہو کر ہمارے قبضے میں رہنی چاہیئے یا گرادی جائے کہ مسلمانوں کی ہمسائگی گرو کے ساتھ نہ ہونی چاہیئے مہاراجہ نے فی الفور حکم دیدیا کہ مسجد سے ملا کو نکال دیا جائے اور گرنتھ رکھا جائے اس حکم کے صادر ہوتے ہی ملا بے چارہ نکال دیا گیا اور مسجد پر اکالیوں نے قبضہ کر لیا اور تمام مسجد میں گوبر کا لیپن دیکر گرنتھ رکھدیا گیا دوکانوں کی آمدنی ضبط ہو کر باولی کے محال کے ساتھ شامل کر دی گئی۔ وقوع اس حال سے شہر کے مسلمان نہایت غمگین ہوئے اور سب مجمع فقیر عزیز الدین و نور الدین کے مکان پر گیا اور چاہا کہ ان کے ذریعے سے مہاراجہ کے حضور میں مسجد کی واگذاری کے لئے عرض کی جائے چونکہ اس زمانے میں مہاراجہ کے دربار میں سب سے بڑھ کر توقیر کیلو ماشکی

کی تھی اور مہاراجہ کسی بات میں اس کے کہنے سے باہر نہ تھا فقیر صاحبان نے مسجد کے معاملے میں اس کو ساتھ ملایا اور اس کے ذریعے سے مہاراجہ کی خدمت میں عرض کی اور بیان کیا کہ تمام پنجاب کی مسجدوں کے ملاّ کہیں بانگ بلند آواز سے نہیں کہتے۔ چہ جائیکہ باولی صاحب کے پاس جہاں گرنتھ صاحب رکھا ہو۔ مسجد کا ملاّ آذان دے یہ بات بالکل برخلاف ہے ہم آئندہ ملاّ سے مچلکہ لے لیتے ہیں کہ کبھی بانگ نہ دے۔ اس بات پر مہاراجہ راضی ہوا کہ مسجد ملاّ کے حوالے کر دی جائے اور اس سے مچلکہ لے لیا جائے کہ وہ بانگ نہ دے۔ اس کی دو کانوں کا کرایہ ضبط رہے مسلمانوں نے اتنی ہی بات کو غنیمت جانا اور مسجد پر دوبارہ قبضہ پایا مگر دوکانیں ہاتھ سے جاتی رہیں۔

یہی مصنف ایک دوسری جگہ لکھتا ہے

"مسجد کا گرانا سکھوں کے وقت کچھ بڑی بات نہ تھی۔ ہزاروں مسجدیں سکھوں نے گرا کر اپنی عمارت کے ساتھ شامل کرلی تھیں۔" (تاریخ لاہور ص ۱۴۳-۱۵۱)

غرض سکھوں کے دَورِ حکومت میں مسلمان جس طرح کی غلامانہ اور حقیر زندگی گزار رہے تھے اور پوری قوم جس بے اعتمادی، محرومی و بے عزتی کا شکار تھی وہ کسی انسان پر پوشیدہ نہیں ہے۔

اس غلامی، مذہبی بندش اور ذلت آمیز طرزِ عمل سے مسلمانوں کے اخلاق پست ہو گئے تھے۔ ساری قوم پر بے اعتمادی اور مایوسی چھائی ہوئی تھی اور وہ زندگی پر موت کو ترجیح دیتے تھے۔ عقائد و اخلاق و عادات مسخ ہو رہے تھے۔ دینی حمیت اور اسلامی رُوح سے پوری قوم محروم ہوتی چلی جا رہی تھی۔ مذہب و معاشرت دل و دماغ پر اس بدترین قسم کے بدترین اثرات پڑ رہے تھے جن کا مٹنا آسان نہ تھا۔ اقبالؔ نے

سچ کہا ہے ؎

خالصہ شمشیر و قرآں را ببرد   اندراں کشور مسلمانی بمرد

"حضرت سیّد احمد بریلوی اور سکھوں سے جہاد"

پنجاب اور سرحد کے مسلمانوں پر زیادتیوں کی یہ خبریں مسلسل ہندوستان میں پہنچ رہی تھیں اور مشہور تھا کہ سکھ لوگ مسلمانوں کی مسجدوں کی بے حرمتی کرتے ہیں اور مسلمانوں کو فرائض مذہبی ادا کرنے سے روکتے ہیں۔ ریاست رام پور میں ولایتی افغانوں نے سکھوں کے مظالم بیان کئے تھے اور کہا تھا کہ سکھ، مسلمان عورتوں کو زبردستی سکھ بنا کر اپنی بیویاں بنا لیتے ہیں۔"

(سوانح احمدی از مولوی محمد جعفر تھانیسری ص ۹۶)

یہ حالات سنکر سیّد احمد صاحب کے خلیفہ مولوی محمد اسماعیل صاحب تحقیق حالات کے لئے خود پنجاب تشریف لے گئے اور امرتسر، لاہور اور دوسرے مقامات کا دورہ کیا وہاں آپ نے بچشم خود دیکھا کہ تمام بڑی بڑی مساجد میں گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ اذان بند تھی۔ قرآن مجید کی علانیہ بے حرمتی اور شعائر مذہبی کی توہین کی جاتی تھی اور مذہبی فرائض کی بجا آوری بعض صورتوں میں بالکل ناممکن ہو گئی تھی۔

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ پنجاب میں مسلمانوں کے مذہبی اور بنیادی حق میں صریح دست اندازی ہوتی تھی جس کی مدافعت کے لئے حضرت سیّد احمد صاحب بریلوی نے سکھوں پر جہاد کا ارادہ کیا۔

سیّد صاحب کے سوانح میں تحریر ہے کہ

" جب آپ سکھوں پر جہاد کرنے کو تشریف لئے جاتے تھے کسی شخص نے پوچھا

کہ آپ اتنی دُور سکھوں پر جہاد کرنے کیوں جاتے ہیں۔ انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں اور دین اسلام سے منکر ہیں گھر کے گھر میں ان سے جہاد کر کے ملک ہندوستان لے لیں یہاں لاکھوں آدمی آپ کے شریک اور مددگار ہو جائیں گے۔ جواب دیا کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت کرنا نہیں چاہتے نہ انگریزوں کا اور نہ سکھوں کا ملک لینا ہمارا مقصود ہے بلکہ سکھوں سے جہاد کرنے کی صرف یہی وجہ ہے کہ وہ ہمارے برادران اسلام پر ظلم کرتے اور آذان وغیرہ فرائض مذہبی ادا کرنے میں مزاحم ہوتے ہیں۔ اگر سکھ اب یا ہمارے غلبہ کے بعد ان حرکات مستوجب جہاد سے باز آجائیں گے تو ہم کو ان سے لڑنے کی ضرورت نہ رہے گی اور سرکار انگریزی گو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم و تعدی نہیں کرتی اور نہ ان کو فرض مذہبی اور عبادت لازمی سے روکتی ہے پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلاف اصول مذہب طرفین کا خون بلا سبب گرا دیں۔"

(سوانح احمدی ص ۷۰)

یہی بیان مولوی محمد اسماعیل صاحب نے دیا

"مولوی محمد اسماعیل صاحب نے یہ اعلان دے دیا تھا۔ سرکار انگریزی پر نہ جہاد مذہبی طور پر واجب ہے نہ ہمیں اس سے کچھ مخاصمت ہے۔ ہم صرف سکھوں سے اپنے بھائیوں کا انتقام لیتے ہیں یہی وجہ تھی کہ حکام انگلشیہ کو بالکل خبر نہ ہوئی اور نہ ان کی تیاری پر مانع آئے۔" (حیات طیبہ از مرزا حیرت دہلوی ص ۲۰۱)

جہاد پر جانے سے قبل سید صاحب نے شیخ غلام علی صاحب رئیس الہ آباد کی معرفت نواب لفٹنٹ گورنر کو ارادہ جہاد کی اطلاع دی۔ جواب ملا کہ جب تک کہ انگریزی عمل داری میں کسی فتنہ و فساد کا اندیشہ نہ ہو۔ ہم ایسی تیاری کے مانع نہیں

ہیں۔" (سوانح احمدی ص ۱۰)

غرض حضرت سید احمد صاحب بریلوی ۱۸۲۴ء میں ایک جمعیت کے ساتھ حیدرآباد سندھ ہوکر درّہ بولن سے افغانستان میں داخل ہوئے اور درّہ خیبر میں سے گذر کر پنجاب پر حملہ آور ہوئے۔

آپ کا پہلا حملہ دسمبر ۱۸۲۶ء کو ہوا۔ دوران جنگ میں سکھوں کی طرف سے حضرت سید صاحب کے پاس یہ پیام آیا کہ دریائے اباسین کے اس کنارے کا ملک جو سید صاحب کے قبضہ میں ہے اس کو راجہ رنجیت سنگھ کی طرف سے انعام تصور کرکے اپنے قبضہ میں رکھیں۔ لیکن آگے کا قصد نہ کریں۔ مگر سید صاحب نے صاف الفاظ میں کہلا بھیجا کہ ان کی غرض ملک گیری نہیں ہے بلکہ صرف مسلمانوں کے لئے مذہبی آزادی حاصل کرنی ہے۔ اس کے معنی صاف یہ ہوئے کہ عین قوت کے زمانہ میں مسلمانوں نے سیاسی مفاد کو ٹھکرا دیا اور صرف اپنا بنیادی اور مذہبی حق حاصل کرنے کے لئے کشاکش جاری رکھی اور مسلسل چار سال تک مصروف بہ پیکار رہے۔ حتیٰ کہ سید صاحب نے جون ۱۸۳۰ء میں پشاور لے لیا۔ امن کا اعلان کیا گیا۔ کسبیاں فرار ہوگئیں۔ مسکرات یعنی نشہ کی چیزوں کی دوکانیں بند ہوگئیں۔ احکام شرعی جاری ہوگئے۔ سلطان محمد خاں والیٔ پشاور کو جو سکھوں کی طرف سے حاکم تھا اطاعت کرنے پر اپنے عہدہ پر برقرار رکھا گیا اور مولوی مظہر علی کو قاضی مقرر کیا گیا مسلسل چھ سال کی جدو جہد کے بعد سید صاحب کا سرحدی علاقہ پر تسلط ہوگیا۔

ملکی تسلط ہو جانے پر سید صاحب کے ساتھیوں میں باہمی رقابتیں پیدا ہوگئیں۔ ایک طرف تو سلطان محمد خاں کے رقیب بہرام خاں کو اس کا قلق تھا کہ وہ پشاور کا حاکم

کیوں نہیں مقرر کیا گیا۔ دوسری طرف مولوی مظہر علی نے جو قاضی مقرر کئے گئے تھے سوء اتفاق سے سلطان محمد خاں کے بھائی سردار یار محمد خاں کو پچھلی لڑائی میں قتل کیا تھا۔ پس جب سیّد صاحب پشاور سے چلے آئے تو سلطان محمد خان نے جو پہلے سکھوں کی طرف سے حاکم پشاور تھے مولوی مظہر علی قاضی شہر کو دربار میں بلا کر قتل کیا اور خوانین سمہ سے سازش کر کے تحصیلداران عشور کو جو سیّد صاحب کی طرف سے مقرر تھے ایک رات میں نماز پڑھتے وقت قتل کرادیا۔ اس کا جواب یہ ہو سکتا تھا کہ سیّد صاحب ان لوگوں کی سرکوبی کرتے مگر چونکہ ان کا مقصد اس سے زیادہ نہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو مذہبی آزادی دلائیں اور ان کو یہ گوارہ نہ تھا کہ خود مسلمانوں کو قتل کرائیں۔ اس لئے آپ نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا کہ اب میں اس ملک سے ہجرت کر کے جانے کا ارادہ رکھتا ہوں اور یہ بھی نہیں جانتا کہ خداوند تعالیٰ مجھے کہاں لے جائے گا غالباً اس سفر میں تکالیف آب و دانہ وغیرہ لازم آئیں گی پس جو شخص ایسی تکالیف برداشت کر سکے اور کلمۂ شکایت مالک حقیقی کا زبان پر نہ لائے وہ میرے ساتھ چلے۔ ہجرت کا ارادہ سن کر تمام نواح کے لوگ بکثرت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے حتیٰ کہ سردار فتح خان بھی حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم آپ کے تابعدار اور غلام ہیں۔ سیّد صاحب نے جواب میں فرمایا کہ اقوام سمہ بھی فرماں بردار تھیں مگر انہوں نے ناحق کثیر مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ غرض کہ سیّد صاحب کسی طرح نہیں مانے اور فتح خاں کو سردار مقرر کر کے وہاں سے روانہ ہو گئے اور ہدایت کی کہ تم ان کی اطاعت کرو اور احکام شریعت پر قائم رہو اور وہاں سے آخر ۱۸۳۰ء میں چلدیئے۔ اور توپوں کو ایک محفوظ جگہ میں دفن کرادیا اور بہت سا جنگی سامان وہیں لوگوں کو سپرد کر دیا۔ علاقہ سمہ سے ہجرت کر کے لشکر اسلام دو تین منزل آگے بڑھا ہو گا

کہ لشکر خالصہ نے سمتہ پر یورش شروع کر دی اور لشکر خالصہ کے مسلمان سپاہی اور خود اقوام سکھ غازیوں کے ناحق قتل سے ایسے غصہ اور جوش میں تھے کہ انہوں نے ہزارہا اہل سمہ کو قتل کر کے ہر گاؤں میں آگ لگا کر خاک سیاہ کر دیا اور کہا کہ جب تم نے اپنے مرشد کے ساتھ بے وفائی کی تو ہمارے ساتھ کیسے وفاداری کر سکتے ہو۔

سید صاحب کا لشکر آگے بڑھتا گیا یہاں تک کہ برف باری کا زمانہ آگیا اور آپ کو عارضی مکانات بنا کر قیام کرنا پڑا مگر اس بے سروسامانی کی حالت میں بھی آپ نے سکھوں کو پے در پے شکستیں دیں حتیٰ کہ بالاکوٹ پر قبضہ کر لیا۔ وہاں سکھوں کے ساتھ ایک زبردست جنگ ہوئی جس میں سید صاحب دَلدل کو پار کر کے خود دست بدست لڑے اور بتاریخ ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق مئی ۱۸۳۱ء شہید ہوئے اور مولوی محمد اسماعیل صاحب آپ کے خلیفہ بھی وہیں شہید ہوئے۔ اس سے ان کی فوج منتشر ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

حضرت سید احمد بریلوی اور حضرت سید محمد اسماعیل شہید رحمہم اللہ کے بعد اس سارے علاقے پر سکھوں کا پھریرا لہرانے لگا اور ہندوستان بھر کے مسلمان اپنی عددی کثرت کے باوجود مٹھی بھر سکھوں کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔ یہ واقعات کی شہادت ہے۔

باب سوم

انگریز کا قبضہ اور ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی

جیسا کہ گذشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ہندوستان کا بیشتر حصّہ ۱۸۲۶ء تک براہِ راست برطانیہ کی ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضے میں آچکا تھا اور بہت سے نواب اور راجے طوعاً و کرہاً انگریزی اقتدار کی سیادت قبول کر چکے تھے۔

۱۸۳۴ء میں کورگ کی ریاست انگریزی قلمرو میں شامل کر لی گئی۔

۱۸۴۳ء میں انگریزوں نے امیران سندھ سے اِس بات کا انتقام لیا کہ انھوں نے کابل کی مہم کی راہ میں روڑے اٹکائے تھے ان کے خلاف تعزیری مہم بھیجی گئی جس نے امیران سندھ کے اقتدار کا خاتمہ کر کے سندھ کو ہندوستان کی برطانوی مملکت میں شامل کر دیا اور کوئی مسلمان سندھ کے ان امیروں کو کسی قسم کی امداد نہ دے سکا۔

۱۸۴۶ء میں انگریزوں کی فارورڈ پالیسی نے پنجاب کی سرزمین کو تاکا، کیونکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بعد بدنظمی پھیل رہی تھی اور سکھ سردار اور فوجی افسر طرح طرح کی سازشوں کا شکار ہو رہے تھے۔ ۱۸۴۶ء میں ہی ضلع لدھیانہ اور

فیروز پور کے کئی شہروں میں انگریزی اور سکھ لشکر کے درمیان لڑائیاں ہوئیں جن میں سکھوں نے شکستیں کھائیں۔ انگریزی فوجیں آگے بڑھ کر لاہور پر قابض ہو گئیں۔ ۱۸۴۹ء میں سکھوں نے چیلیاں والا ضلع گجرات میں پنجاب کی سرزمین پر انگریزوں کے ساتھ آخری جنگ کی اور اس میں شکست کھائی۔ سکھوں کے اقتدار کا ستارہ غروب ہو گیا۔ ان کے جنگجو سردار مارے گئے اور باقی سکھوں نے ۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء میں انگریزوں کی اطاعت قبول کر لی۔

اور ۱۸۵۶ء میں انگریز حکمرانوں نے اودھ کی مملکت کو برطانوی فتوحات میں شامل کر لیا جو ایک سو سال سے حیدرآباد دکن کی طرح ایک خود مختار ریاست چلی آ رہی تھی۔

۱۸۵۷ء کے آغاز میں انگریزوں نے ہندوستان سے ایک فوجی مہم بحری راستے سے ایران بھیجی جس نے بوشہر پر قبضہ کر لیا۔

اب سارے ہندوستان پر بلا شرکت غیرے انگریز کا قبضہ ہو چکا تھا اور مسلمان نہ صرف اپنا ملک کھو چکے تھے بلکہ ان کو سیاسی، معاشی اور تعلیمی رنگ میں، ان کی ذہنیت کو غلامی میں بدل دیا گیا تھا۔

پھر مشرقی تہذیب سے نفرت اور مغربی تہذیب کا دلدادہ بنا کر ان کے دلوں میں مغربی علوم اور مغربی تہذیب کی برتری کا یقین پیدا کیا گیا کہ ہندوستانیوں کو اپنا کلچر اور تہذیب سب فرسودہ نظر آنے لگے حتیٰ کہ انہیں اپنے مشرقی لباس، رہن سہن اور میل جول کے طرز و طریق اور السلام علیکم کہنے سے بھی شرم محسوس ہونے لگی۔ اور انگریزی دان طبقہ ان پرانی وضع قطع کے لوگوں کو دیکھ کر ان کا مذاق

اڑانے کو ایک فیشن سمجھتا تھا مسلمانوں کی اس پرانی ذہنیت کو بدلنے کے لئے بھی انہوں نے ایک سو سال تک جو کوششیں کیں ان پر بھی یکجائی طور پر نظر ڈال لینا چاہیئے تاکہ ہر انسان کو ان مشکلات کا پس منظر معلوم ہو جائے علامہ اکبر الہ آبادی نے اس پر طنز کرتے ہوئے لکھا ہے ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا　　افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ذیل میں انہی امور کے متعلق چند اقتباسات لکھے جاتے ہیں جن سے اصل حقیقت کا اندازہ ہو جائے گا۔ اور وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) مسٹر چارلس گرانٹ ڈائریکٹر ایسٹ کمپنی کا پہلا انگریز ہے جس نے ہندوستان میں انگریزی تعلیم کے اجرا کے لئے ۱۷۹۲ء میں ایک رسالہ لکھا جس میں وہ لکھتا ہے

۱۔ یہ بالکل انگلستان کے اختیار میں ہے کہ وہ ہندوؤں کو بتدریج ہماری زبان سکھائے اور بعد میں اسی کے ذریعہ ہمارے فنون، فلسفہ اور مذہب کی تعلیم دے۔ یہ تعلیم خاموشی کے ساتھ تمام غلط باتوں کی عمارت کی بیخ کنی کر کے بالآخر اسے گرا دے گی۔

۲۔ مگر بلاشبہ سب سے اہم تعلیم جو ہندوؤں کو ہماری زبان کے ذریعے ملے گی وہ ہمارے مذہب کی معلومات ہوں گی۔

۳۔ مسلمانوں نے اپنی سلطنت کے زمانہ میں ہندوؤں کے کیریکٹر میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

۴۔ ہندو اس قدر کمزور دل ہیں کہ ان میں سیاسی آزادی حاصل کرنے کی قابلیت پیدا ہونے کی ہرگز امید نہیں ہے۔

۵ ۔ اس اندیشہ سے کہ تعلیم پھیلنے سے کسی زمانے میں ہماری حکومت متزلزل نہ ہو جائے اور ہمارے فوائد کو نقصان نہ پہنچے ہمیں ہندوستانیوں کو سچے مذہب (یعنی عیسوی مذہب) سے اور بہترین اخلاق سے اور علوم و فنون کے اصول سے محروم نہیں کرنا چاہیئے۔

۶ ۔ جس طرح کہ مسلمانوں نے اپنے زمانہ میں دفتر کی زبان فارسی کر دی تھی اسی طرح انگریزی جاری کرنے سے عدالتوں اور دفاتر کے کام میں آسانی ہو گی اور ہندو ائے خوشی سے حاصل کریں گے کیونکہ اس سے ان کی وقعت اور اہمیت بڑھے گی۔

(مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۳۶)

مسٹر چارلس کے اس رسالہ کا گورنمنٹ نے تو کوئی اثر نہ لیا اور پادریوں کو مذہب اور تعلیم کی اشاعت کی ممانعت رہی لیکن ۱۷۹۹ء میں انگلستان سے مسٹر کیری اور ایک دوسرا پادری ہندوستان میں آکر اپنا مذہبی کام کرتے رہے۔

جب مسٹر وارن ہیٹنگز گورنر جنرل نے قانونی اور عدالتی خدمات کی انجام دہی کیلئے ہندو اور مسلمانوں کی تعلیم کے لئے ۱۸۱۰ء میں کالج بنایا تو کپتان آرون کو اس کی نگرانی کے لئے سیکریٹری بنایا گیا۔ پھر ۱۸۲۳ء میں مسٹر الفنسٹن اور مسٹر وارڈن نے ایک متفقہ یادداشت گورنمنٹ میں پیش کی جس کا اقتباس یہ ہے

" انصاف یہ ہے کہ ہم نے دیسیوں کی ذہانت کے چشمے خشک کر دیئے اور ہماری فتوحات کی نوعیت ایسی ہے کہ اس نے نہ صرف ان کی علمی ترقی کی ہمت افزائی کے لئے تمام ذرائع کو ہٹا لیا ہے بلکہ حالت یہ ہے کہ قوم کے اصلی علوم بھی گم ہو جانے اور پہلے لوگوں کی ذہانت کی پیداوار فراموش ہو جانے کا اندیشہ ہے اس الزام کو دور کرنے کے لئے کچھ کرنا چاہیئے۔" (مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۳۹)

اس کے بعد پہلی بار ہندوستانیوں کو تعلیم دینے کے لئے ۱۸۱۳ء کی کمیٹی کی سفارشات پر پارلیمنٹ نے قانون پاس کیا تھا عمل ہونا شروع ہوا۔ اور تعلیم کے لئے ایک لاکھ روپیہ سالانہ کا خرچ منظور ہوا۔ اس قانون کی بنا پر ۱۸۱۴ء ڈائریکٹران کمپنی کی طرف سے گورنر جنرل کے نام ایک مراسلہ جاری ہوا جس میں تحریر تھا کہ سنسکرت کی سرپرستی کی جائے اور ہندوؤں کے علوم کی ہمت افزائی کی جائے۔ کمیٹی کی ان سفارشات پر کمپنی نے تو تعلیم کا انتظام برائے نام کیا البتہ یورپ کے پادریوں کے لئے اس قانون کی راہ سے اس پھاٹک کی ایک کھڑکی کھل گئی جو ابتدائے عمل داری سے پادریوں پر بالکل بند تھی۔ اب وہ لوگ رفتہ رفتہ ہندوستان میں داخل ہو کر جگہ جگہ انگریزی مدارس قائم کرنے لگے اور اس طرح انہوں نے مسٹر ولبر فورس اور مسٹر چارلس گرانٹ کے منصوبوں اور عیسائیت کی اشاعت کے پروگرام کو پورا کرنا شروع کیا۔

اس زمانہ راجہ رام موہن رائے کلکتہ کے ایک بڑے آدمی تھے اور مذہب کے اعتبار سے بالکل غیر متعصب تھے انھوں نے اسلام اور مذہب عیسوی کا خوب مطالعہ کیا تھا اور عیسائیوں کے گرجا میں جا کر ان کی عبادت میں شریک ہوتے تھے۔ راجہ صاحب کو ایک وسیع الخیال شخص کلکتہ کے ایک گھڑی ساز ڈیوڈ ہیر نے ایک انگریزی کالج جاری کرنے کا منصوبہ قائم کر کے راجہ صاحب کو اپنا ہم خیال بنایا۔ اور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سر ہائیڈ ایسٹ کے پاس ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور ان کی امداد سے ۱۸۱۶-۱۷ء میں کلکتہ میں یہ پہلا انگریزی کالج قائم کیا جس کا نام ''اینگلو انڈین کالج'' رکھا گیا اور جو ''ودیالہ'' بھی کہلایا جاتا تھا۔ راجہ صاحب کی نسبت لکھا ہوا ہے کہ ہندوؤں کے خوف سے انھوں نے اپنے آپ کو کالج کے انتظامات سے علیحدہ رکھا مگر اس میں

کام بہت کیا۔

اسی طرح پادری کیری صاحب نے ۱۸۱۸ء میں بنارس میں عیسائیوں کا "جے نرائن کالج" قائم کیا ان کالجوں کو دیکھ کر ۱۸۲۱ء میں پونا میں ہندو کالج قائم کیا گیا۔ ۱۸۲۳ء میں آگرہ کالج قائم ہوا۔ اور اسی زمانہ میں کلکتہ مدرسہ۔ کلکتہ سنسکرت کالج اور آگرہ کالج میں انگریزی کلاسوں کا اضافہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد کمپنی کی اس پالیسی کا ۱۸۳۵ء میں فیصلہ ہوا کہ انگریزی زبان رفتہ رفتہ سرکاری محکمہ جات میں جاری کر دی جائے۔

اس فیصلہ کی تعریف میں بڑے بڑے راگ گائے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ لارڈ میکالے نے یہ فیصلہ کر کے ہندوستان کو آزادی کا فرمان عطا کیا مگر جو امور اس رائے کے محرک تھے وہ حسب ذیل تھے جیسا کہ اس نے خود لکھا ہے۔

(ا) "ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیئے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق اور رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو"

(تاریخ التعلیم از میجر باسُو ص ۱۰۵)

(ب) لارڈ میکالے اپنے باپ کو خط میں لکھتا ہے۔

"اس تعلیم کا اثر ہندوؤں پر بہت زیادہ ہے کوئی ہندو جو انگریزی دان ہے کبھی اپنے مذہب پر صداقت کے ساتھ قائم نہیں رہتا۔ بعض لوگ مصلحت کے طور پر ہندو رہتے ہیں مگر بہت سے یا تو موحد ہو جاتے ہیں یا مذہب عیسوی اختیار کر لیتے ہیں۔ میرا پختہ عقیدہ ہے کہ اگر تعلیم کے متعلق ہماری تجاویز پر عملدرآمد ہوا تو تیس سال

بعد بنگال میں ایک بت پرست بھی باقی نہ رہے گا۔"

(مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۴۳)

اب دیکھنا یہ ہے کہ انگریزی کی اس تعلیم کا اثر طلبا کے عقائد پر کہاں تک ہوا۔ اس کا اندازہ سرکاری تعلیمی کمیٹی کی رپورٹ سے ہو گا جو دسمبر ۱۸۲۳ء میں قائم ہوئی تھی اس کی ہشت سالہ رپورٹ جو دسمبر ۱۸۳۱ء میں شائع ہوئی حسب ذیل ہے۔

(ا) " ہندو کالج کی حوصلہ افزائی کی طرف توجہ کرنا اس تعلیمی کمیٹی کے خاص مقاصد میں سے رہا ہے اس سے جو نتائج ہوئے وہ امید سے زیادہ ہیں۔ زبان انگریزی کی واقفیت میں ترقی کے ساتھ اخلاقی اثرات بھی نمایاں ہوئے اور اچھے خاندان اور قابلیت کے بہت سے نوجوانوں میں ہندو مذہب کی بندشوں سے آزاد ہونے کے لئے بے چینی اور اپنے رسوم کی طرف سے بے اعتنائی کا علانیہ اظہار کیا جا رہا ہے۔ غالباً دوسری نسل میں کلکتہ کے ہندوؤں کے خیالات اور محسوسات میں بڑی مادی تبدیلی ہو جائے گی۔"

(تاریخ التعلیم سید محمود ص ۴۵)

(ب) سر فریڈریک ہیلڈے نے ۱۸۵۳ء میں اپنی شہادت میں بیان کیا ہے۔

" میں سمجھتا ہوں کہ ہندو کالج میں انجیل کی تعلیم اس قدر زیادہ ہے کہ انگلستان کے کسی پبلک اسکول میں نہیں ہے۔" (مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۴۱)

(ج) سر چارلس ٹریولین نے لکھا ہے

" میرا یقین ہے کہ جس طرح سے ہمارے بزرگ کُل کے کُل ایک ساتھ عیسائی ہو گئے تھے اسی طرح یہاں بھی سب کے سب ایک ساتھ عیسائی ہو جائیں گے۔ ملک میں مذہب عیسوی کی تعلیم کے ذریعہ نفوذ کرے گی حتی کہ عیسوی علوم تمام سوسائٹی میں

اثر کرجائیں گے تب ہزاروں کی تعداد میں عیسائی ہوا کریں گے"

(تاریخ التعلیم از سید محمود ص ٦٩)

ان اقتباسات سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہندوستانیوں کے دلوں میں کالجوں کی یہ تعلیم کتنا اثر نفوذ کر رہی تھی اگر ایک طرف انگریزی کالجوں کے ذریعہ سے مذہب عیسوی کی اشاعت ہو رہی تھی تو دوسری طرف پادریوں نے اپنی تبلیغ کا باقاعدہ سلسلہ جاری کر دیا تھا۔ چنانچہ ۱۸۳۳ء میں امریکہ سے دو مشنری کلکتہ پہنچے۔ اور ایک مشنری ۱۸۳۴ء کو لدھیانہ (پنجاب) آیا اور ۱۸۳۷ء کو پنجاب میں پہلا گرجاگھر تعمیر ہوا۔ ۱۸۴۹ء میں لاہور میں ان کی ایک شاخ قائم ہوئی۔ اس طرح عیسائیت کی تبلیغ کے لئے ایک پھاٹک کھول دیا گیا جس کی صرف ایک کھڑکی ۱۸۲۳ء میں کھولی گئی تھی۔ اس کے بعد پادریوں نے کثیر تعداد میں یہاں آکر ہندوستان کے تمام مذاہب پر حملے کر کے اہل ہند کی دل آزاری کا سلسلہ جاری کیا۔ سر سید احمد خاں مرحوم لکھتے ہیں۔

"سب کو یقین تھا کہ سرکار ہندوستانیوں کو مفلس کر کے عیسائی بنا لے گی۔ جس طرح ۱۸۳۷ء کے قحط میں یتیم لڑکوں کو عیسائی بنا لیا تھا۔ پادری گورنمنٹ سے تنخواہ پاتے تھے افسران معتمد اپنے ماتحتوں سے مذہبی باتیں کرتے تھے اپنی کوٹھیوں پر بلوا کر پادریوں سے مذہب کی تلقین کراتے تھے۔ پادری لوگ پولیس کانسٹیبلوں کو ساتھ لے کر مسلمانوں کے وعظوں اور ہندوؤں کے کتھاؤں میں جا کر اعتراضات کرتے تھے اور مذہبی پیشواؤں کی برائی اور ہتک کرتے تھے جس سے لوگوں کو دلی تکلیف پہنچتی تھی اسی طرح چند قوانین جاری کئے گئے جن سے مذہب میں مداخلت ہوتی تھی۔"

(ملخص اسباب بغاوت ہند ص ١٢٠ تا ص ١٢٣)

مولوی فضل حق خیرآبادی لکھتے ہیں۔

"بادشاہ دہلی اور والیٔ اودھ برائے نام حکمران رہ گئے تھے اور والیٔ اودھ نے تو لٹیا ہی ڈبو دی تھی۔ مسجد ہنومان گڑھی شہید ہوئی۔ مسلمان مجاہدین کفار کے ہاتھوں خاک و خون میں لتھڑے امیر علی شاہ توپ دم ہوئے۔ ناموس اسلام کی بے عزتی اور اسلامی شعائر کی بربادی پر بھی واجد علی شاہ کو عیش و عشرت کی پڑی تھی۔ پھر شاہ اودھ کی معزولی، بادشاہ دہلی کے نام نہاد خطابات سے منصوبہ محرومی اور مذہب عیسوی کی بہ جبر نشر و اشاعت نے فرنگیوں کو بے نقاب کر دیا تھا۔ کارتوسوں کی چربی سے دل کا غبار آتش فشاں بن کر پھوٹ پڑا۔ اس نے بارود پر فلیتہ کا کام کیا۔"

(الثورۃ الہندیہ ص ۱۳۹)

اس بدبسی حکومت کی طرف سے اس قسم کے حالات پیدا ہو چکے تھے کہ بقول بعض علماء کرام ہندو اور مسلمانوں نے متحد ہو کر انگریزی حکومت کے خلاف ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کے دن علم بغاوت بلند کر دیا اور حد استطاعت تک اپنی تمام کوششیں اس حکومت کو ختم کرنے میں صرف کر دیں لیکن دوسری طرف اور رعایا کو تو رہنے دیجئے خود بہادر شاہ ظفر کے گھر میں پھوٹ تھی۔ اگر دو بیٹے اس کے جنگ آزادی میں شریک تھے تو ایک بیٹا مرزا مغل اور سمدھی مرزا الٰہی بخش انگریز کے مکمل حامی تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتنی قتل و غارت کے باوجود چار ماہ کے بعد ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کے دن ان جنگ آزادی لڑنے والوں کو مکمل طور پر شکست ہو گئی اس کے متعلق لکھا ہے۔

"اس طرح ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی اور ۱۸۴۷ء کی جنگ میسور کی طرح ۱۸۵۷ء کی یہ جنگ آزادی بھی ہندوستانیوں کی شکست اور انگریزوں کی اس تحریک سے

زیادہ متاثر ہوئیں لیکن ہندوستان کے نواب، راجے، اُمراء اور بڑے بڑے زمیندار حکومت برطانیہ کی خیر خواہی کا دم بھرتے رہے دیگر مقامات کی چھاونیوں میں دیسی سپاہیوں سے ہتیار لے لئے گئے۔ عام آبادیوں میں بعض لوگ کافی تعداد میں حکومت برطانیہ کے ہمدر دبنے رہے کیونکہ انھیں ہندوستانی فوجوں کی کامیابی کا یقین نہ تھا۔ پنجاب کی سرزمین جسے انگریزوں نے دس سال پہلے سر کیا تھا۔ سرکار کی وفادار رہی سکھوں اور پنجابی مسلمانوں نے انگریزی اقتدار کو بحال کرنے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔

ہندوستان کے دوسرے صوبوں یا وسطِ ہند کے باشندوں کے متعلق ایک سو چھبیس سال بعد ۱۸۵۷ء کے انگریزوں کے خلاف جنگ کے بارے میں شاید سوچنے کا انداز مختلف ہو لیکن پنجاب اور سرحد کے باشندوں کے متعلق جن پر سکھ پچاس برس تک اپنی حکومت کے دوران ظلم ڈھاتے رہے تھے اور ہندو بھی ان کے ممد و معاون تھے مسلمان انھیں کبھی بھول بھی نہیں سکتے تھے۔ ایسے مشکل ترین وقت میں انگریز نے آکر انھیں ان مظالم سے نجات دلائی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ کے دوران نظام دکن۔ راجہ نیپال اور پنجاب کے رہنے والے زمینداروں نے انگریز کی امداد کی۔ جس کے متعلق منشی محمد دین صاحب ایڈیٹر میونسپل گزٹ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔

"غدر ۱۸۵۷ء کی تحریک دراصل ہندوؤں کی تحریک تھی اس لئے تمام مقتدر مسلمان خاندانوں نے انگریزوں کی مدد کی۔"

"تمام سردارانِ ٹوانہ خاندان ۱۸۵۷ء کے غدر میں انگریزوں کے ساتھ رہے۔

ملک صاحب خاں لارڈ ڈینپسر کے ساتھ ۱۸۵۷ء تک رہے اسی طرح میجر سردار بہادر جہان خاں ٹوانہ نے ایک سَو سوار لے کر برٹش فوج کی مدد کی لارڈ ڈینپسر نے ان کو اپنا ایڈی کانگ بنا لیا۔ اسی طرح ملک شیر محمد خاں ٹوانہ اور ملک سلطان محمود صاحب رئیس خواجہ آباد شاہ پور اور مزاری بلوچ خاندان سے سر امام بخش صاحب اور خاندان کنج پورہ کے نواب محمد علی اور اعوان خاندان شمس آباد کے معزز ین فروز دین خاں اور مغل خاندان کے مرزا الہٰی بخش اور افغان خاندان دوسانے کرنال میں جناب احمد علی خاں صاحب اور ممدوٹ خاندان میں سے نواب جلال دین خاں اور لاہور کے قزلباش خاندان میں سے علی رضا خاں اور چپ خاندان کے سردار راجہ سلطان خاں رئیس بلوتھی ضلع گجرات اور نون خاندان سے ملک فتح خاں گکھڑ خاندان کے رئیس بھرموالا ضلع راولپنڈی اور جودھرا خاندان پنڈی گھیپ کے ملک اولیا خاں اور عیسیٰ خیل کے رئیس محمد خاں کے بیٹے شاہنواز خاں مع دوسرے بھائیوں کے۔ اور اعوان خاندان کے ملک اللہ یار خاں رئیس کالا باغ اور اس کے بیٹوں اور مخدوم خاندان کے خان بہادر مخدوم شیخ حسن بخش صاحب قریشی رئیس اعظم ملتان کے والد مخدوم شاہ محمود صاحب مرحوم اور شیخ پیر شاہ صاحب قریشی رئیس ملتان۔ اور خاکوانی خاندان ملتان کے رئیس غلام مصطفیٰ اور سید مخدوم شیخ محمد غوث رابع عرف پیر سید محمد صدرالدین صاحب حسنیُ الحُسینی گیلانی رئیس ملتان اور گردیزی خاندان کے خان بہادر سید حسین بخش صاحب رئیس ملتان کے والد سید مراد شاہ صاحب اور خان بہادر نواب سیف اللہ خاں صاحب یا بو رئیس خاں گڑھ ضلع مظفر گڑھ اور درشک بلوچ خاندان کے معزز رکن ابجبر خاں اور بلوچوں کی لُنڈ قوم سُوری کے فضل علی خاں اور ڈھلونا خاندان کے

لفٹننٹ کرنل بہادر راجہ عطاء اللہ خاں اور علی زئی ڈیرہ اسماعیل خاں کے نواب حافظ سر محمد عبداللہ خاں کے سی آئی ای وغیرہ نے ۱۸۵۷ء کے غدر میں انگریزوں کی امداد کی۔"

(یادگار دربار تاجپوشی جون ۱۹۱۱ء مرتبہ منشی محمد دین صاحب)

نوٹ۔ امید ہے پنجاب میں ان خاندانوں کی اولادیں اب بھی موجود ہوں گی اور یہ اپنے بزرگوں کے ان کارناموں پر یقیناً فخر کرتی ہوں گی کہ ہمارے بزرگوں نے انگریز کی خدمت کرکے بڑا شاندار کام کیا تھا۔

(ب) اخبار "زمیندار" نے لکھا۔

"ہندوؤں نے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملا کر ۱۸۵۷ء میں انگریزی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا چونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم ہندوستانیوں کو انسان بھی نہیں سمجھتے تھے۔ ان سے بدسلوکی سے پیش آتے تھے اس لئے ہندوؤں کی تحریک جلد کامیاب ہوگئی اور آخری مغل بادشاہ ابو مظفر بہادر شاہ ظفر کا بغاوت کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔" (اخبار زمیندار پاکستان نمبر ۱۳ / اگست ۱۹۵۰ء)

بغاوت کرنے کے بعد انگریزوں نے مغل شہنشا کو گرفتار کرلیا۔ بادشاہ کے دو بیٹوں کو قتل کر دیا گیا اور خود بادشاہ کے لئے برما شہر رنگون کی نظر بندی تجویز ہوئی جس پر انگریز ۱۸۲۶ء میں قبضہ جما چکے تھے علاوہ ازیں ہندوستان کے ہزاروں اشخاص قتل کر دیئے گئے ہزاروں قید ہوئے بے شمار لوگوں کی جائیدادیں ضبط کرلی گئیں اور شریف لوگوں کو مفلوک الحال بنا دیا گیا۔ اس کے بعد ہندوستان غلام ہوگیا اور ۱۸۵۸ء میں تاج برطانیہ نے جوان دنوں ملکہ وکٹوریہ کے سر پر تھا مملکت ہند کے انتظام کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ سے براہ راست اپنے ہاتھ میں منتقل کرلیا

اور اس مضمون کا اعلان کر دیا گیا کہ ملکۂ معظمہ کی ہندوستانی رعایا کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی اور سرکار انگریزی ان کی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں رہے گی۔

۱۸۵۷ء میں جو غدر ہوا کیا اس میں آخری مغل بادشاہ ابو مظفر بہادر شاہ ظفر کا ہاتھ تھا۔ اس کے متعلق بھی جو بیان انھوں نے خود دیا وہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے اسے بھی ضرور پڑھنا چاہیئے۔ تاکہ اصل حقیقت نکھر کر سامنے آجائے۔

بلا تبصرہ

مغلیہ تاجدار بہادر شاہ ظفر کا حلفیہ بیان جو آپ نے ۹ مارچ ۱۸۵۸ء کو دیوان خاص (قلعہ دہلی) میں منعقدہ عدالت کے سامنے دیا وہ حسب ذیل ہے۔

"اصل حقیقت یہ ہے کہ غدر کے روز کی مجھے پہلے سے خبر نہیں تھی۔ آٹھ بجے کے قریب باغی سوار دفعتہً آئے . . . . . باغی سپاہ دیوان خانہ میں گھس آئی . . . . اور مجھے چاروں طرف سے گھیر کر پہرہ متعین کر دیا میں نے ان کا مطلب دریافت کیا اور چلے جانے کو کہا جس کے جواب میں انھوں نے خاموش کھڑے رہنے کو کہا۔ اور کہا کہ جب انھوں نے اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈالا ہے تو اب اپنی طاقت کے موافق سب کچھ کر کے چھوڑیں گے۔ خوف کھا کر کہیں میں قتل نہ کر دیا جاؤں میں نے منہ سے اُف تک نہ کی اور چپ چاپ اپنے کمرہ میں چلا گیا شام کے وقت یہ نمک حرام کئی انگریز مرد و عورت کو گرفتار کر کے لائے جن کو انھوں نے میگزین میں پکڑا تھا اور ان کے قتل کا قصد کرنے لگے۔ میں نے باز رہنے کی درخواست کی۔ اس وقت تو میں ان انگریزوں کی جان بچانے میں کامیاب ہو گیا مگر باغی سپاہیوں نے انہیں اپنی حراست میں رکھا۔ متواتر دو موقعوں پر انھوں نے انگریزوں کے قتل کا قصد کیا اور میں نے

منت وسماجت کرکے باز رکھا اور قیدیوں کی جانیں بچالیں۔ آخری وقت اگرچہ میں مفسد بلوائیوں کو حتی المقدور باز رکھنے کی کوشش کرتا رہا مگر انھوں نے میری طرف مطلق التفات نہیں کیا اور ان بیچاروں کو قتل کرنے باہر لے گئے . . . . میں خدا کی قسم کھاکر کہتا ہوں جو میرا گواہ ہے کہ میں نے مسٹر فریزر یا کسی انگریز کے قتل کا حکم نہیں دیا۔ مکندلال و دیگر گواہان نے کہا ہے کہ میں نے حکم دیا ہے۔" غلط ہے . . . . میری مُہر کے ثبت شدہ اور دستخط کئے ہوئے احکام کی نسبت معاملہ کی اصل حالت یہ ہے کہ جس روز سے سپاہ آئی انگریزی افسروں کو قتل کیا اور مجھے قید کرلیا۔ میں ان کے اختیار میں رہا۔ جیساکہ اب ہوں۔ تمام کاغذات جو مناسب سمجھتے میرے پاس لاتے اور مجھے مُہر ثبت کرنے پر مجبور کرتے بسااوقات احکام کے مسودے لاتے اور میرے سیکریٹری سے انہیں صاف کرواتے کبھی اصلی کاغذات لاتے اور ان کی نقلیں دفتر میں رکھدیتے۔ اس لئے کئی خطوط اور مختلف تحریریں روئیداد کی فائل بن گئی بارہا انھوں نے خالی لفافوں پر مُہر ثبت کرالی ہے نہیں معلوم ان میں انھوں نے کون سے کاغذات بھیجے اور کہاں بھیجے . . .

میں نے کبھی ان کی کانفرنس میں شرکت نہیں کی انھوں نے اسی طرح بدوں میری مرضی یا خلاف حکم صرف میرے ملازموں کو ہی نہیں لوٹا بلکہ کئی محلوں کو لوٹ لیا۔ چوری کرنا۔ قید کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا اور جو جی چاہتا تھا کر گذرتے تھے۔ جبراً معززاہل شہر سے اور تجّار سے جتنی رقم چاہتے وصول کرتے تھے اور یہ مطالبات ذاتی اغراض کے لئے کرتے تھے۔ جو کچھ گذرا ہے وہ سب مفسدہ پرداز فوج کا کیا دھرا ہے میں ان کے قابو میں تھا اور کیا کرسکتا تھا وہ اچانک آپڑے اور مجھے قیدی بنالیا۔ میں لاچار تھا اور دہشت زدہ۔ جو انھوں نے کہا میں نے کیا ورنہ انھوں نے مجھے کبھی کا

قتل کر ڈالا ہوتا" (بہادر شاہ کا مقدمہ ص ۱۳۳ تا ۱۳۹ مؤلفہ خواجہ حسن نظامی دہلوی)

شمس العلماء خواجہ حسن نظامی دہلوی نے اسباب غدر پر بڑے محتاط الفاظ میں مندرجہ ذیل تبصرہ کیا ہے۔

" میں مجمل طور پر یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ غدر میں دہلی شہر کے اندر انقلاب حکومت کی جو بساط بچھائی گئی تھی اور جس قدر مہرے اس میں حرکت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں . . . . اس عظیم الشان فساد کی بنیاد رکھنے والے کچھ اور ہی لوگ تھے جو ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلتے رہے اور آخر وقت تک سامنے نہ آئے"

(بہادر شاہ کا مقدمہ ص ۲۳۴)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو علماء کرام نے جنگ آزادی نہیں بلکہ غدر یا بغاوت کہا ہے

۱۸۵۷ء کی بغاوت کی ذمہ داری نہ صرف مسلمانوں کے بادشاہ بہادر شاہ ظفر مرحوم نے ہی قبول نہیں کی بلکہ اس دور کے مسلمانوں کے جو بڑے بڑے لیڈر اور عالم تھے انھوں نے بھی اسے جنگ آزادی نہیں سمجھا اور نہ اس کا نام اسلامی جہاد رکھا بلکہ اسے بغاوت ہی قرار دیا جیسا کہ لکھا ہے

۱ - مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی جو شیخ الکل کہلاتے تھے ان کے متعلق لکھا ہے۔

" مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب دہلوی نے اصل معنی جہاد کے لحاظ سے بغاوت ۱۸۵۷ء کو شرعی جہاد نہیں سمجھا بلکہ اس کو بے ایمانی و عہد شکنی و فساد و عناد خیال کر کے اس میں شمولیت اور اس کی معاونت کو معصیت قرار دیا اور اس کے برعکس اس غدر میں گورنمنٹ کی خیر خواہی کی اور عین طغیانی طوفان بے تمیزی میں ایک

زخمی لیڈی (زوجہ مسٹر لیسن) کی جان بچائی اور اس کے زخم کے معالجے کے بعد وہ سرکاری کیمپ میں پہنچائی گئی جس پر گورنمنٹ کی طرف سے بھی قدردانی و توجہ ہوئی۔"
(رسالہ اشاعت السنتہ جلد ۶ نمبر ۱۰ ص ۲۸۸)

۲۔ سرسید احمد خاں مرحوم نے لکھا

"مسلمانوں کا بہت دنوں سے آپس میں سازش اور مشورہ کرنا اس ارادے سے کہ ہم باہم متفق ہو کر غیر مذہب کے لوگوں پر جہاد کریں اور ان کی حکومت سے آزاد ہو جائیں نہایت بے بنیاد بات ہے۔ . . . . . بیس تیس برس پیشتر ایک بہت بڑے نامی مولوی محمد اسماعیل نے ہندوستان میں جہاد کا وعظ کہا اور آدمیوں کو جہاد کی ترغیب دی اس وقت اس نے صاف بیان کیا کہ ہندوستان کے رہنے والے جو سرکار انگریزی کے امن میں رہتے ہیں۔ ہندوستان میں جہاد نہیں کر سکتے اس لئے ہزاروں آدمی جہادی ہر ایک ضلع ہندوستان میں جمع ہوئے اور سرکار کی عملداری میں کسی طرح کا فساد نہیں کیا۔ اور غربی سرحد پنجاب پر جا کر لڑائی کی اور یہ جو ہر ضلع میں پاجی اور جاہلوں کی طرف سے جہاد کا نام ہوا اگر ہم اس کو جہاد ہی فرض کریں تو بھی اس کی سازش و صلاح قبل دسویں مئی ۱۸۵۷ء مطلق نہ تھی۔ غور کرنا چاہیئے کہ اس زمانے میں جن لوگوں نے جہاد کا جھنڈا بلند کیا ایسے خراب اور بدرویہ اور بداطوار آدمی تھے کہ بجز شراب خواری اور تماش بینی اور ناچ اور رنگ دیکھنے کے کچھ وظیفہ ان کا نہ تھا بھلا یہ کیونکر پیشوا اور مقتدا جہاد گنے جا سکتے تھے۔" (اسباب بغاوت ہند ص مؤلفہ جناب سرسید احمد خاں صاحب)

۳۔ نواب مولوی صدیق حسن خاں صاحب نے لکھا۔

"جو غدر ۱۸۵۷ء میں برٹش گورنمنٹ سے مفسدوں نے سلوک کیا وہ فساد تھا نہ جہاد۔" (رسالہ اشاعت السنۃ ۱۸۸۶ء جلد ۹ ص ۱ تا ۱۶)

۴ ۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے لکھا۔

"مفسدہ ۱۸۵۷ء میں جو مسلمان شریک ہوئے تھے وہ سخت گنہگار اور بحکم قرآن وحدیث وہ مفسد و باغی بدکردار تھے اکثر انھیں سے عوام کالانعام تھے بعض جو خواص و علماء کہلاتے تھے وہ بھی اصل دین (قرآن وحدیث) سے بے بہرہ تھے یا نافہم تھے۔" (رسالہ الاقتصاد فی مسائل الجہاد ص ۴۹)

۵ ۔ مولانا محبوب علی صاحب دہلوی نے کہا

"غدر کے انہی دنوں میں آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کے فتویٰ پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا انگریز سمجھے کہ کوئی ہمارا اپنا بندہ ہے انھوں نے اس صلہ میں آپ کو گیارہ گاؤں بطور انعام دینے کی خواہش کی آپ نے پروانہ چاک کر ڈالا اور فرمایا کہ میں نے کیا تمہارے لئے کیا تھا میرے نزدیک مسئلہ یونہی تھا اس لئے میں لوگوں کو منع کرتا تھا۔

(ارواح ثلاثہ المعروف حکایات اولیاء ص ۲۹۳ مرتبہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی)

۶ ۔ مولانا محمد احسن صاحب نانوتوی نے کہا

"۲۲ مئی ۱۸۵۷ء کو نماز جمعہ کے بعد مولانا محمد احسن نے بریلی کی مسجد نو محلہ میں مسلمانوں کے سامنے ایک تقریر کی اور اس میں بتایا کہ حکومت سے بغاوت کرنا خلاف قانون ہے۔"

(مولانا محمد احسن نانوتوی ص ۵۰)

۷ ۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی نے کہا۔

" مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی . . . . ۱۸۵۷ء کی جنگ کو غدر اور اس میں حصہ لینے والوں کو مفسد.ین سے تعبیر کرتے تھے۔"

(سوانح قاسمی حصہ ص ۱۶)

۸ ۔ خلیفۃ المسلمین جناب سلطان عبدالمجید خاں صاحب کا پیغام

سلطان عبدالمجید ثانی کا عہد حکومت سنہ تا ۱۹۱۸ء تک رہا۔ اس کے زمانہ میں ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گُل ہو گیا اور بغاوت ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں نے مسلمانانِ ہند کے نام عبدالمجید ثانی سے اس مضمون کا ایک فرمان حاصل کیا جو حسب ذیل ہے۔

"مسلمانان ہند کو انگریزوں کے ساتھ صلح و آشتی کے ساتھ رہنا چاہئے کیونکہ انگریزان کے خلیفہ کے دوست ہیں۔"

تبصرہ ۔ اسی فرمان کا مسلمانوں پر اثر پڑا اور مسلمان انگریزوں کو اچھی نظر سے دیکھنے لگے۔ (تاریخ اسلام جلد ص ۳۷ مصنف مولوی سید امیر احمد صاحب بجنور یوپی حال وارد لاہور ۔ ناشران ۔ ملک سراج الدین اینڈ سنز ۔ لاہور ۔ بار اوّل ۔)

نہ صرف خلیفۃ المسلمین جناب سلطان عبدالمجید خاں صاحب نے انگریز کے حق میں مسلمانان ہند کو سفارش کی بلکہ اس غدر کو فرو کرنے کے لئے انگریزوں کی افواج کو مصر سے گذر کر ہندوستان پہنچنے کی اجازت بھی دی۔

اس موضوع پر اور بھی بڑے بڑے بزرگوں کی تحریرات ہیں لیکن قارئین کے سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

روحانی دنیا میں فرنگیوں یعنی انگریزوں کے متعلق خدائی فیصلہ:

ہندوستان سے مسلمانوں کی حکومت کا ختم ہو جانا اور انگریزوں کا ہندوستان پر قبضہ کر لینا یہ کوئی اتفاقی امر نہ تھا بلکہ یہ سب کچھ پہلے سے آسمان پر فیصلہ ہو چکا تھا اور روحانی دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوری سے یہ حکم صادر کیا گیا۔ اور اس کے متعلق قبل از وقت بڑے ہی عظیم الشان خدا تعالیٰ سے تعلق رکھنے والوں نے دنیا والوں کو بتلا دیا تھا۔ ذیل میں اس پیشگوئی کو لکھ دیا جاتا ہے تاکہ آئندہ ان امور سے عبرت حاصل کی جائے۔

حضرت مخدوم علی احمد صابر کلیری متوفی سنہ کی تاریخ مخدوم شاہ محمد حسن صاحب صابری چشتی رامپوری نے ۱۸۵۶ء میں لکھی اس میں آپ نے ہندوستان کے مسلمانوں کی حکومت کے زوال اور انگریزوں کو حکومت دیئے جانے کے متعلق پیشگوئیاں لکھی ہیں انھیں لکھا جاتا ہے۔

"حضرت احدیت نے سید عبدالقادر جیلانی اور خواجہ معین الدین چشتی کی پیدائش سے پہلے حکومت باطن کا اس طرح تمام دنیا کی آبادی کو دو حصوں میں تقسیم کیا کہ ایک حصہ کا نام عرب اور دوسرے حصہ کا عجم قرار دیا۔ اوّل عرب کو جس میں تمام ممالک روس، شام، روم، جرمن، آسٹریا، فرانس، انگلستان، ایران، بخارا، چین وغیرہ داخل ہیں حضرت محبوب سبحانی کو ان کی حکومت عطا فرمائی۔

اور ممالک عجم کی حکمرانی حضرت خواجہ غریب نواز ولی الہند کو عطا فرمائی۔ اب چونکہ ارباب باطن قوم فرنگ کو عرب و عجم ہند کو بھیجیں گے اور انھیں ظاہری حکومت عطا فرمائیں گے اس واسطے شاہان فرنگ اور ہندوستان کے بادشاہوں کے

تغیر و تبدل کے متعلق حالات بیان کئے جاتے ہیں۔

۱۲۱۸ھ میں بعہد عالی گوہر خلق اللہ پر ظلم ہونے لگا۔ ۱۲۱۹ھ میں سردار حنفیہ عجم نے بامر باطن عالی گوہر بادشاہ کو قوم فرنگ کے ماتحت کر کے انگریزوں کو دہلی پر محیط کر دیا ۱۲۲۱ھ میں عالی گوہر نے قضا کی اس کے بعد سردار حنفیہ عجم نے ابوالنصر معین الدین محمد اکبر ثانی بن شاہ عالم عالی گوہر بادشاہ کو برائے نام دہلی پر متمکن کیا۔ اور ۱۲۲۱ھ میں حضرت میاں غلام شاہ صاحب صابریہ کو باطن سے علم ہو گیا تھا کہ بادشاہت اس خاندان سے نکل کر قوم فرنگ کو عطا ہو چکی ہے صرف نام اور عزت چندے باقی رہی ہے کیونکہ اس خاندان میں فسق و فجور بکثرت ہوتا ہے۔ جو موجب تباہی اس قوم کا ہے۔ سات مہینے پندرہ دن کے عرصہ میں جب فسق و فجور کی زیادہ کثرت ہوئی تو ۱۲۲۲ھ میں یہ دیکھکر سردار حنفیہ عجم نے بحکم باطن اس بادشاہ کو جدید سے معزول کر کے۔ بوساطت قطب لندن شاہِ جارج سوم والی انگلستان کی فوج دہلی پر بخوبی مسلط کر دی اور بادشاہ مذکور کو قطعی قوم نصاریٰ کا ماتحت کر دیا ابوالنصر معین الدین محمد اکبر شاہ ثانی بہت ذلیل و خوار رہا آخر کو سلطان المشائخ محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر حاضر ہو کر تائب ہوا حضرت ممدوح نے عالم مثال میں بشارت دی کہ اکبر تو بادشاہ دو جہاں حضرت مخدوم علاءالدین علی احمد صابر صاحب کے آستانہ پر جا اور سخت توبہ کر امید ہے کہ خطا تیری معاف ہو گی لیکن حکومت نصیب نہ ہو گی اس واسطے کہ حکمرانی تمام ہندوستان کی بامر باطنی شاہ فرنگ کو دیدی گئی ہے اب بادشاہت دہلی ماتحت شاہِ فرنگ رہے گی اکبر بادشاہ نے بموجب ہدایت حضرت محبوبِ الٰہی کے حضرت مخدوم کے آستانہ پر حاضری دی۔

حضرت ممدوح نے عالم رویا میں فرمایا کہ تیری معذرت ہم نے قبول کر لی ہے لیکن تو ایک عرضی میاں غلام شاہ صاحب صابریہ کی خدمت میں سید عبدالقادر شاہ جہانپوری جو تیرا داروغہ ہے اس کی معرفت بھیجدے وہ تیری بادشاہت برائے نام کر دیں گے مگر حکومت تمام ہندوستان پر زمانہ حضرت امام مہدی علیہ السلام تک شاہانِ اسلام کی نہ ہو گی . . . اس کے بعد مختلف والیان ملک ان بزرگان دین کی روحانی قوت سے بدلتے رہے حتیٰ کہ ملکہ وکٹوریہ کے حکومت سپرد کر دی گئی ۔ حضرت عبدالرشید صاحب سردار اکبر حنفیہ عرب و عجم نے خلق اللہ پر ظلم نہ کرنے کے حکم کی منظوری کا کوئین ملکہ وکٹوریہ کو باطن سے نافذ کرا کر قطب لندن کے پاس بھیجدیا وہ حکم باطنی کے موافق ملکہ موصوفہ کو سلطنت کرانے لگا ۔ ۱۲۵۳ھ میں ابوالنصر معین الدین محمد اکبر شاہ نے بتیس برس ماتحت بادشاہ انگلستان کی بادشاہت کر کے قضا کی ۔

حضرت شاہ محمد عبداللہ صاحب سردار حنفیہ عجم نے بادشاہ مرحوم کی جگہ ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بن اکبر شاہ کو مقرر کیا ۔ انھوں نے ۱۲۵۳ھ میں حکم ماتحتی فرنگ منظوری بادشاہ مذکور کا حضرت سرورِ عالم صلعم سے صادر کرا کر ابدال درجہ اوّل کے توسط سے حضرت علوالعزم والمرتبہ صابری و قادری کے بھیج دیا ان حضرت نے قطب دہلی کے پاس مرسل کیا وہ امر سروری کا پابند ہو گیا ۔ بادشاہ مذکور نے ستائیس سال چند ماہ سلطنت کی اور بادشاہ کے نام سے اس عالم میں موسوم رہا لیکن پندرہ برس تک یہ بادشاہ مع متعلقین کے وصیت نامہ کا پابند رہا بعد اس کے بارہ برس تک مع متعلقین کے اطاعت وصیت نامہ سے انحراف کیا اور چونکہ امر سروری صادر ہو چکا تھا کہ یہ سلطنت ماتحت قوم فرنگ کے باقی رہے گی اس لئے ہر سال یہی حکم صادر ہوتا تھا کہ ظاہر سے

ہدایت کر دیا کرو اور ہر قطب دہلی ہر روز بادشاہ کے احوال کو معرفت ابدال درجہ اوّل کے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں عرض کرتا رہتا وہاں سے ہر روز یہ حکم ہوتا کہ یہ بادشاہ داخل طریقت ہے اور مجھ کو اپنے اولیاء کی خاطر منظور ہے شاید یہ اپنی حرکات ناشائستہ سے کل باز آجاوے حتیٰ کہ بارہ برس تک مہلت دی کہ اس عرصہ میں راہ راست اختیار کرے اگر اس مہلت میں بھی یہ بادشاہ اپنی حرکات بد سے باز نہ آوے تو اس معصیت زدہ کو مع متعلقین کے حضرت سلطان نظام الدّین محبوب الٰہی کے سپرد کر دیا جاوے اس کو اختیار ہے کہ جو چاہے کرے آخر الامر جب بادشاہ مذکور نے بعد انقضائے مدّت بارہ سال کے راہِ راست پر قدم نہ رکھا تو ۱۲۶۹ھ میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سید نظام الدّین محبوب الٰہیؒ کے اس کو سپرد کر دیا۔ حضرت محبوبِ الٰہی نے اسے اپنے برادر طریق مخدوم علاؤالدّین علی احمد صابر کے تفویض کیا انھوں نے حضرت شاہ محمد امیر شاہ صاحب کو اس سے مطلع فرمایا انھوں نے معرفت ابدال درجہ دوم کے حکم نامہ باطنی سردار حنفیہ حضرت عرب حسن کے نام جاری کر دیا اور میعاد مقرر کر دی کہ اس عرصہ میں تخمیناً دو لاکھ چند ہزار چند سو آدمی ہلاک کئے جائیں اور بادشاہت ماتحت فرنگ بھی موقوف کر کے قوم فرنگ مستقل حکمران کر دی جائے کہ زمانہ امام مہدی علیہ السّلام کا قریب ہے۔ کفر ترقی پکڑے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ الغرض ۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۶ء تک بہادر شاہ بادشاہ کا بموجب حکم سروری انتظار کیا گیا کہ راہِ راست اختیار کرے لیکن وہ مع اپنے متعلقین کے معصیت سے باز نہ آیا اور وصیت نامہ سے منحرف رہا تب ۱۲۷۳ھ میں اوّل درجہ کے الہام کے ساتھ امر ربیّ نے ظہور کیا کہ حسب صدور القاوالہام ہذا پیشگوئی مخدومی مرقومۂ بالا کو جاری کرو۔ حضرت علوالعزم والمرتبہ

موصوف نے فوراً معرفت ابدال دھر دوم کے حضرت سردار حنفیہ مذکورہ کو امر اجرا یت کیا انھوں نے اسی وقت ہر اقطاب و اغیاث وغیرہ نے فی الفور انگریزی فوج کے قلبوں میں عناد ڈال دیا. جس کے باعث کشت وخون ہونے لگا جب کشت و خون بموجب احکام اغیاث ہند قطب عالم کی حد کو پہنچ گیا تو عرصہ ایک سال پانچ ماہ میں ولایت محمدیہ جاذبۂ امن کا ظل ڈالا اور بجہت ظلم وفسق وفجور مسلمانوں کے (جو کہ مسلمان تھے اور اسلام کے پردہ میں گوناگون ظلم کرتے تھے اور مبتلائے فسق وفجور تھے) بامر حضرت شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مفسدوں کو سزا دی گئی. حضرت سردار حنفیہ نے بعض کو قدیم سے معزول یعنی ہلاک کرا دیا اور بعض کو مع ابوظفر بہادر شاہ والیٔ دہلی کے جدید سے معزول یعنی قید فرنگ میں مقید کیا اور بحکم حضرت محمد عبدالرشید صاحب سردار اکبر حنفیہ عرب وعجم کے قوم فرنگ کو مستقل حکمرانی ہندوستان کی کرادی گئی اور ۱۲۷۴ھ سے. بوساطت حضرت اعلوالعزم والمرتبہ صابریہ و قادریہ و نظامیہ نے بامر باطن مستقل بادشاہت ہندوستان کی ملکہ کوئین وکٹوریہ کو دی گئی اور حضرت سردار حنفیہ عجم نے حضرات اقطاب اغیاث وغیرہ کو بفرمان سروری احکام پہنچا دیئے کہ گو فسق و فجور کی کثرت ہو جس کی سزا وہ آپ پائیں گے لیکن خلق اللہ پر ظلم نہ ہونے دیں اور جو اس کے خلاف کرے فی الفور اس کی سرکوبی کی جائے اور بلا اطلاع حضرت علوالعزم والمرتبہ موصوف و حضرت سردار اکبر حنفیہ ممدوح کے اس کو قدیم یا جدید سے معزول کرو اور بعد کو اطلاع کیا کرو.

الحاصل جب ظفر شاہ کو ستائیس برس پورے ہوگئے اور ریہ راہ راست پر نہ آئے تب حضرت سردار حنفیہ مذکور نے ۱۲۷۹ھ میں ابوظفر سراج دین محمد بہادر شاہ

کو قید فرنگ میں قدیم سے معزول یعنی ہلاک کر کے شاہان مغلیہ حکمرایان ہندوستان کا خاتمہ کیا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سلاسل کیفیت حنفیہ عرب و عجم کا جس میں اہل خدمات باطنی ہوتے ہیں عجیب مذاق ہے جو اس کیفیت کا صاحب مذاق ہوتا ہے وہی اس حکومت کا ذائقہ جانتا ہے زیادہ تشریح کی ممانعت ہے مگر جو طالب صادق اور واصل مرشد ہوتا ہے اس پر اس کا انکشاف ہو جاتا ہے۔" (ملخص حقیقت گلزار صابری مؤلفہ مخدوم شاہ محمد حسن صابری چشتی رامپوری مکتبہ صابریہ قصور ص ۶۲۵ تا ۶۳۵)

باب چہارم

۱۸۵۷ء کے بعد انگریز کے مسلمانوں پر مظالم اور عیسائیت کی یلغار

ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف ۱۸۵۷ء کے بعد انگریز نے جو حالات پیدا کئے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ مولانا حسین احمد مدنی صاحب لکھتے ہیں۔

" تقدیر تدبیر پر غالب آگئی۔ ہندوستانیوں کو اپنے اعمال سابقہ کی سزا ملنی تھی گذشتہ مصائب پاداش کے لئے احکم الحاکمین کے دربار عدالت میں کافی نہ تھے اس لئے باوجود اس قدر جانبازیوں کے برٹش شہنشاہیت کو ہندوستانیوں پر اس طرح مسلط کر دیا گیا جس طرح کوڑے لگانے والے بھنگی جلاد کو مجرم پر مسلّط کر دیا جاتا ہے جس میں نہ شرافت ہوتی ہے نہ رحم وانسانی ہمدردی، ہندوستانیوں کو سپید برطانوی بھیڑیوں کے سامنے سرنگوں کرنا قدرت کی تجویز تھی وہ ہو کر رہی تحریک انقلاب وآزادی ناکام کر دی گئی۔ غلامیّت کا طوق پہلے سے ہزاروں درجہ بوجھل کر کے ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کی گردن میں ڈلوا دیا گیا۔

قصبہ تھانہ بھون اور اس کے اطراف و جوانب کے وہ مقامات جن کی شکایات کسی دشمن نے کردی برباد کر دیئے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ دار و گیر و پکڑ دھکڑ کا بے پناہ زمانہ آیا۔ چاروں طرف سختیاں بے حد و بے نہایت وحشی درندوں کی طرح عمل میں لائی جانے لگیں۔ پرانی دشمنیوں کو نکالنے کا لوگوں کو موقعہ مل گیا جس کو جس سے کوئی بھی پرخاش یا رنجش ہوتی۔ انگریز افسر کے یہاں شکایت کر دیتا۔ کہ یہ شخص بغاوت میں شریک تھا۔ علیٰ ہٰذا القیاس اگر کسی کی زمینداری یا نقدی کی حرص ہوتی تو اس کی شکایت انگریز کے پاس کر دیتے وہاں نہ تحقیق تھی نہ گواہ کی تلاش تھی نہ مجسٹریٹ کے فیصلہ کا انتظار تھا وہاں تو یہ مقالہ معمول بہ تھا ع

جسے دیکھا حاکم وقت نے کہا یہ بھی قابل دار ہے

(نقش حیات جلد دوم ص ۵۳ - ۵۴ ۔ سوانح خود نوشت مولانا حسین احمد صاحب مدنی)

۲ ۔ مولانا فضل حق خیرآبادی لکھتے ہیں

" ۱۹ ستمبر کے بعد ہندوستانیوں پر جو مصائب کے پہاڑ ٹوٹے اس کی نظیر تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ یوں تو دہلی نے بہت سے ہنگامے دیکھے تھے۔ نادر شاہ درانی کا ایام عیدالاضحیٰ میں قربانی کے جانوروں کی جگہ انسانوں کا ذبح اور شہر کی نالیوں میں پانی کے بجائے خون کی روانی دیکھی تھی . . . . مگر ایسے مظالم . . . . نہ آنکھوں نے دیکھے نہ کانوں نے سنے نہ انسان کے دل میں کبھی ان کا خطرہ بھی گذرا۔ الامان والحفیظ !" (الثورۃ الہندیہ یعنی باغی ہندوستان ص ۱۴۳ ، ۱۴۴)

مولانا فضل حق صاحب نے اپنی اسی کتاب میں اس جنگ کے نتیجہ میں پھانسی پانے والوں۔ گولیوں سے اڑائے جانے والوں کے کچھ نام دیئے ہیں اور دہلی چھوڑ کر

غریب الوطنی کی زندگی بسر کرنے والوں کی فہرست بھی لکھی ہے اور کئی ان لوگوں کے نام بھی دیئے ہیں جن کی جائدادیں ضبط کی گئیں اور بغاوت کے جرم میں جنہیں کالے پانی میں قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیلنی پڑیں۔

۳ ۔ اسپنسر وال پول لکھتا ہے

" وحشی نادر شاہ نے بھی وہ لوٹ نہیں مچائی تھی جو فتح دہلی کے بعد انگریزی فوج نے جائز رکھی شارعِ عام پر پھانسی گھر بنائے گئے اور پانچ پانچ چھ چھ آدمیوں کو روزانہ سزائے موت دی جاتی تھی وال پول کا بیان ہے کہ تین ہزار آدمیوں کو پھانسی دی گئی جن میں انتیس شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے مؤلف تبصرۃ التاریخ لکھتا ہے کہ ستائیس ہزار مسلمان قتل کیے گئے اور سات دن تک برابر قتل عام جاری رہا۔"

(نقش حیات جلد دوم ص ۵۰۴ بحوالہ شاندار ماضی ص ۶۹)

۴ ۔ طامسن لکھتا ہے

" دہلی کے کچھ مسلمانوں کو ننگا کرکے اور زمین سے باندھ کر سر سے پاؤں تک جلتے ہوئے تانبہ کے ٹکڑوں سے اچھی طرح داغ دیا گیا اور مسلمانوں کو سُؤر کی کھالوں سے سی دیا جاتا تھا۔" (مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۹۳)

۵ ۔ سر آکلینڈ کالوِن لفٹننٹ گورنر صوبہ متحدہ نے کہا۔

" غدر فرو ہو جانے پر ان سے سخت انتقام لیا گیا اور دونوں قوموں (یعنی انگریزوں اور مسلمانوں) میں مصالحت کی اُمّید جاتی رہی۔"

(مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۵۶)

۶ ۔ سر ولیم ہنٹر نے کلکتہ کے ایک فارسی اخبار مورخہ ۱۴ ر جولائی ۱۸۶۹ء کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

" اس خبر کی تردید نہیں کی گئی کہ سندربن کے کمشنر نے گورنمنٹ گزٹ میں اعلان کیا تھا کہ جو ملازمتیں خالی ہوئی ہیں ان پر سوائے ہندوؤں کے کسی کا تقرر نہ کیا جائے۔"

اس خبر کے بعد تحریر ہے کہ

" مسلمان اب اس قدر گر گئے ہیں کہ اگر وہ سرکاری ملازمت پانے کی قابلیت بھی حاصل کر لیتے ہیں تب بھی انہیں سرکاری اعلانات کے ذریعے خاص احتیاط کے ساتھ ممنوع کر دیا جاتا ہے ان کی بے کسی کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہوتا اور اعلیٰ حکام تو ان کے وجود کو تسلیم کرنا ہی اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔"

(مسلمانان ہند از ڈاکٹر ہنٹر ص ۱۵۸)

حکام کے اس طرز عمل کا نتیجہ کیا ہوا ؟ اس سوال کا جواب ان الفاظ میں تحریر ہے

" ۱۸۶۹ء میں کلکتہ میں مشکل ہی سے کوئی دفتر ایسا ہوگا جس میں بجز چپراسی یا چٹھی رساں یا دفتری کے مسلمانوں کو کوئی اور نوکری مل سکے۔" اس سلسلہ میں ہنٹر صاحب نے اڑیسہ کے مسلمانوں کی ایک عرض داشت بنام کمشنر صاحب اڑیسہ نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے

" بہ حیثیت وفادار رعایا حضور ملکہ معظمہ ہمیں سرکاری ملازمتیں پانے کا یکساں حق ہے اصل یہ ہے کہ اڑیسہ کے مسلمان اس قدر پیس دیئے گئے ہیں کہ اب ان کے ابھرنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ نسل کے اعتبار سے شریف، پیشہ کے

اعتبار سے غریب، سرکاری سرپرستی سے محروم۔ ہماری حالت ان مچھلیوں کے مانند ہے جو پانی سے نکال کر پھینک دی گئی ہوں یہ مسلمانوں کی بدترین حالت ہے جو حضور کے سامنے اس لئے پیش کی جاتی ہے کہ حضور ملکہ معظمہ کے قائم مقام ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ بلالحاظ رنگ و ملت سب قوموں کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جائے گا۔ سرکاری ملازمتوں سے خارج ہونے کے بعد ہم مفلسی اور مایوسی کے اس درجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ اگر بیس روپیہ ماہوار کی نوکری بھی مرحمت ہو جائے تو ہم دنیا کے سب سے دور دراز مقامات تک سفر کرنے ہمالیہ کی برفانی چوٹیوں پر چڑھ جانے اور سائبیریا کے سنسان بیابانوں میں بھٹکتے پھرنے کو بھی خوشی سے تیار ہیں۔"

(مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۶۱، ۱۶۲ بحوالہ مسلمانانِ ہند ص ۱۰۵)

(ب) مسلمان انگریزی حکومت میں ایک برباد شدہ قوم ہیں۔"

(مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۶۵)

غرض ۱۸۵۷ء کے سانحہ عظیم کے بعد کا زمانہ مسلمانوں کے لئے ابتلاء و مصیبت کا زمانہ تھا وہ تحریک ہندوؤں کی اٹھائی ہوئی تھی اس سے ہندو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ اس میں ہندوستانی مسلمان من حیث القوم شامل تھے۔ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد انگریزوں نے حکومت ان سے حاصل کی تھی اس لئے نئی حکومت کے دل میں پہلے حکومت کے ہم مذہب لوگوں کے بارہ میں شکوک و شبہات کا پیدا ہونا ایک طبعی امر تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جیسا کہ ہنری ہیرنگٹن نے ۱۸۵۸ء میں لکھا تھا۔

"میں بیان کر چکا ہوں کہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کی تحریک ہندوؤں نے شروع نہیں کی تھی اب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کروں گا کہ یہ بغاوت مسلمانوں کی سازش

کے نتیجے میں ہوئی تھی مسلمان چند وجوہ کے تحت ہمیں تباہ کر دینا چاہتے تھے۔ ان کی دشمنی کی سب سے بڑی وجہ تو یہ تھی کہ مسیحیت کے خلاف صدیوں سے مسلمانوں کے جذبات موجزن تھے۔ مسلمانوں نے اس بغاوت کی سازش تیار کی اور اس کی تنظیم کی۔" (اے پمفلٹ ہنری ہیر نگٹن ۱۸۵۸ء)

اسی طرح کی تحریروں نے انگریزوں کے دل میں مسلم دشمنی کی چنگاریوں کو اور ہوا دی اور انھوں نے بے بس مسلمانوں پر سنگین ظلم ڈھائے۔

اے عزیز کے الفاظ میں

"انگریز جو مسلمانوں کی شجاعت سے نفرت کرتے تھے اب ان کے مذہب کے بھی دشمن ہو گئے۔ انھوں نے مسلمانوں کے وجود کو برطانوی سامراج کے لئے ایک چیلنج تصوّر کیا۔ نسلی منافرت کا ایک طوفان امڈا۔ بربریت و خونریزی کا بازار گرم ہو گیا۔ مسلمان مردوں اور عورتوں کا قتل عام ہونے لگا بچوں اور بوڑھوں کی کوئی تخصیص روا نہ رکھی گئی اور انھیں گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالا گیا۔"

(ڈسکوری آف پاکستان اے عزیز مطبوعہ ۱۹۴۶ء ص ۲۸۵)

۱۸۵۷ء کی بغاوت کے تقریباً بیس سال بعد لارڈ لٹن نے ہندوستانی زبانوں کے اخباروں کی وہ محدود آزادیٔ تحریر بھی سلب کر لی جو اب تک انہیں حاصل تھی۔ اس نے قانون اسلحہ بھی منظور کیا جس کے مطابق ہندوستانی باشندے اپنے پاس ہتھیار نہ رکھ سکتے تھے خاص طور سے اس قانون کا اثر ہزاروں مسلمان شرفا اور امرا پر پڑا جنھیں صدیوں سے اسلحہ رکھنے کی رعایت حاصل تھی۔ کاشتکاروں کو انتہائی پریشان کن حالات کا سامنا کرنا پڑا اور قحط اور اس سے پیدا شدہ فسادات

نے ان پر مزید تباہ کن اثر ڈالا۔

حکومت برطانیہ کی تبلیغی پالیسیاں

۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں نے اپنی پالیسی میں ڈرامائی تبدیلیاں کیں انھوں نے ہندوؤں کی سرپرستی کی اور مسلمانوں کو معاشی، اقتصادی لحاظ سے جان بوجھ کر کچلنے کی کوشش کی۔ اب نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ ہندوستان کے تمام باسیوں کو عیسائی بنانے کے لئے انگلستان میں۔ بڑی بڑی اسکیمیں بنائی جانے لگیں۔ چنانچہ

۱۔ وزیر ہند سر چارلس وڈ نے ایک وفد سے خطاب کرتے ہوئے کہا

"میرا یہ ایمان ہے کہ ہر وہ نیا عیسائی جو ہندوستان میں عیسائیت قبول کرتا ہے انگلستان کے ساتھ ایک نیا رابطہ اتحاد بنتا ہے اور امپائر کے استحکام کے لئے ایک نیا ذریعہ ہے۔"

۲۔ وزیر اعظم نے کہا

"میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب اپنے مقصد میں متحد ہیں یہ ہمارا فرض ہی نہیں بلکہ خود ہمارا مفاد بھی اس امر سے وابستہ ہے کہ ہم عیسائیت کی تبلیغ کو جہاں تک بھی ہو سکے فروغ دیں اور ہندوستان کے کونے کونے میں اس کو پھیلا دیں۔"

۳۔ سر ڈونلڈ میکلوڈ جو پنجاب کے لفٹننٹ گورنر تھے کہا

"میں اپنے اس یقین کا بھی اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم سرزمین ہند میں اپنی سلطنت کا تحفظ چاہتے ہیں تو ہمیں انتہائی کوشش کرنا چاہیئے کہ یہ ملک عیسائی ہو جائے۔"

(دی مشنز پنجاب اینڈ سندھ ص ۴۸)

۴۔ وہ رپورٹ جو ہاؤس آف کامنز نے ۱۸۱۳ء میں شائع کی اس میں لکھا کہ

"حکومت ہند انتہائی شکرگزاری کے جذبات کے ساتھ ان ...۶ مشنریوں کی نیک کوششوں کو سراہتی ہے ان کا بے داغ نمونہ اور ان کی بے لوث خدمات انگریزی رعایا کی بے شمار آبادی کی دقیانوسی زندگی میں روح پھونک رہے ہیں اور وہ انھیں بہتر آدمی اور اس عظیم الشان ایمپائر کے بہتر شہری بننے کے لئے تیار کر رہے ہیں جس میں وہ بستے ہیں۔" (ہسٹری آف پروٹسٹنٹ مشنز۔ بائی اے ایم شیرنگ لنڈن)

۵۔ لیفٹننٹ گورنر چارلس ایچی سن نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"بعض ایسے لوگوں کو جنھیں اس طرف توجہ کرنے کا موقع نہیں ملا یہ سنکر تعجب ہوگا کہ جس رفتار سے ہندوستان کی معمولی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے اس سے چار پانچ گنا زیادہ تیز رفتار سے عیسائیت اس ملک میں پھیل رہی ہے اور اس وقت ہندوستانی عیسائیوں کی تعداد دس لاکھ کے قریب پہنچ چکی ہے اب سوال یہ ہے کہ اس عظیم الشان امر کا سبب کہ ہر جگہ عیسائیوں کی جماعت ایسی تیز رفتاری سے پھیل رہی ہے کہ جتنی قرون اولیٰ کے بعد کبھی نہیں پھیلی۔ میں اور آپ اس کا حقیقی سبب جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ خداوند کی روح حرکت میں ہے پہلے کی طرح اب بھی خداوند اپنے نام کی عظمت دے رہا ہے اور وہ ہمارے چرچ کو ان لوگوں سے وسعت دے رہا ہے۔ جو نجات چاہتے ہیں۔ انجیل کے پیغام کی قدیم طاقت ابھی تک موجود ہے۔ اب بھی رسولوں کے زمانے کی طرح خدا کا کلام زبردست نشو و نما کی طاقت رکھتا ہے اور اس کا غلبہ ہو رہا ہے۔"

(دی مشنز بائی آر کلارک مطبوعہ لنڈن ص ۲۳۴)

۶۔ مشہور پادری جان ہنری بیروز نے لیکچر دیتے ہوئے کہا کہ

"اب میں اسلامی ممالک میں عیسائیت کی روزافزوں ترقی کا ذکر کرتا ہوں اس ترقی کے نتیجے میں صلیب کی چمکار آج ایک طرف لبنان پر ضوء افگن ہے تو دوسری طرف فارس کے پہاڑوں کی چوٹیاں اور باسفورس پانی اس کی چمکار سے جگمگ جگمگ کر رہا ہے یہ صورت حال پیش خیمہ ہے اس آنے والے انقلاب کا کہ جب قاہرہ دمشق اور تہران کے شہر خداوند یسوع مسیح کے خدام سے آباد نظر آئیں گے حتیٰ کہ صلیب کی چمکار صحرائے عرب کے سکوت کو چیرتی ہوئی وہاں بھی پہنچے گی اس وقت خداوند یسوع اپنے شاگردوں کے ذریعہ مکہ شہر اور خاص کعبہ کے حرم میں داخل ہو گا اور بالآخر وہاں اس حق و صداقت کی منادی کی جائے گی کہ "ابدی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور یسوع مسیح کو جانیں جسے تو نے بھیجا ہے"۔

(بیروز لیکچرز ص ۴۲)

ایک طرف اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہ منصوبے بنائے جا رہے تھے دوسری طرف ہندو قوم تھی جو حکومت کی زیر سرپرستی تعلیم و تربیت، صنعت و حرفت، سیاست و اقتصاد غرضیکہ ہر شعبہ میں مسلمانوں کے بالمقابل ترقی یافتہ ہو چکی تھی۔ نہ صرف یہ بلکہ ہندوؤں نے مسلمانوں کا ہر طرح کا معاشرتی بائیکاٹ کر رکھا تھا۔ وہ مسلمانوں کے سیاسی زوال سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنے کے منصوبے سوچ رہے تھے۔ یہ دَور ہندوستانی مسلمانوں کے لئے نازک ترین دَور تھا۔

ایسے وقت میں جناب سرسید احمد خاں مرحوم اور چند دوسرے دانشور مسلمانوں بار بار ان اعلانات اور یقین دہانیوں کے کہ ۱۸۵۷ء کا غدر صرف مسلمانوں کی طرف سے

ہی نہیں تھا بلکہ خود ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کی بعض غلطیوں کی وجہ سے تمام ہندوستان کی ناراضگی اس کا سبب تھی اس کی ذمہ داری تمام ہندوستانیوں پر تھی جنھوں نے اس غدر میں حصہ لیا تھا۔ اسے صرف مسلمانوں پر ہی کیوں ڈالا گیا۔ اور اس کا انہیں مورد الزام کیوں ٹھہرایا گیا۔ اس کی تمام تفصیلات انھوں نے اپنی کتاب "اسباب بغاوت ہند" میں گن کر بتلائی ہیں اور اس کتاب کو انھوں کو پارلیمنٹ کے ممبر سے لے کر وائسرائے تک پہنچایا اور حکومت کو پُرزور الفاظ میں یقین دلایا کہ مسلمان ایک وفادار قوم ہے۔

سرسید احمد خاں مرحوم اور دوسرے بہی خواہان قوم کی ان تھک محنت اور جد و جہد کے بیس سال بعد جاکر بعض انگریزوں کے خیالات میں مسلمانوں کے متعلق قدرے تبدیلی آنی شروع ہوئی جو ہندوؤں کو بری لگی۔ چنانچہ انھوں نے لکھا۔

"جبکہ انگریزوں اور مسلمانوں کے اخبارات گورنمنٹ پر زور دے رہیں ہیں کہ مسلمانوں کو ان کی پست حالت سے ابھاریں اور انھیں ملک کی حکومت میں اپنا مناسب حصہ حاصل کرنے میں مدد دیں۔ تو ہندوؤں کی جماعت سامنے آکر پبلک کو یاد دلاتی ہے کہ مسلمانوں کی ایک مخصوص جماعت غیر وفادار لوگوں کی ہے جسے تمام مسلمانوں کی ہمدردی حاصل ہے چنانچہ ۲ ر اکتوبر ۱۸۷۱ء کے ہندو پیٹریٹ میں ایک مضمون شائع ہوا ہے اس کا خلاصہ ذیل ہے۔

"اس دور حکومت میں جس کو رعایا پرور اور درخشاں تو کہہ لیجئے مگر زیادہ ہوشمند اور فرزانہ نہیں کہہ سکتے فرائضی اور وہابیوں کے باغیانہ عنصر کا ہونا یقینی ہے ان فرقوں کا تمام دیسی ریاستوں میں اثر ہے ان کی تنظیم جیسوٹ یعنی

عیسائیوں کے یعقوبی فرقہ سے ملتی جلتی ہے۔ وہابی یوں تو کچہریوں میں کلرکیوں اور محرریوں پر کام کرتے ہیں۔ تجارتی خرید و فروخت میں مشغول ہیں اور ملک کی آبادی میں خاموشی کے ساتھ ملتے جلتے رہتے ہیں لیکن اپنے اصلی مذہبی رنگ کو یا اپنے مقاصد کو کبھی نہیں بھولتے بغیر نمائش کے اپنے مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں ان میں اتحاد عمل ہے۔ مذہب کو ابتدائی سادگی پر لاکر اسلام کا سیاسی تفوق قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ اپنی بربریت سے یہ کسی وقت موجودہ تہذیب کو فنا کر دیں گے حکومت کو چاہیئے کہ ان کی تحقیقات کرے ان کا اثر دوسرے مسلمانوں پر بھی ہے "۔ (مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۶۷)

اس ایک اقتباس سے ہی ظاہر ہے کہ ہندوؤں کو جو ملک کی معاشی، اقتصادی اور علمی حالت میں ہر لحاظ سے ترقی یافتہ تھے مسلمانوں کے بارے میں حکومت برطانیہ کی پالیسی کو بدلنا کتنا برا لگا۔ اگر وہ مسلمانوں کے خیر خواہ ہوتے تو انہیں اس معمولی سی تبدیلی سے خوش ہونا چاہیئے تھا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ کے بعد مسلمانوں کے مسائل

۱۸۵۷ء کے بعد

مسلمانوں کے خلاف ہندوستان میں جو حالات پیدا ہو چکے تھے اور اس زمانہ میں جو مسائل علماء کرام کے زیر بحث آئے اور انھوں نے ان کا جو حل سوچا وہ یہ تھا۔

(۱) انگریز نے جبکہ تمام ہندوستان پر قبضہ کر لیا ہے اور وہ دنیا کی بہت بڑی طاقت بن چکا ہے۔ اب اس کے خلاف تلوار اٹھانا اور جنگ کرنا

از روئے شریعت جائز ہے یا ناجائز؟

(ب) ایسے حالات میں اب ہندوستان دارالحرب کا حکم رکھتا ہے یا دارالاسلام کا؟

(ج) اب مسلمانوں کے لئے برطانوی حکومت کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

ان مسائل پر اس زمانہ میں علماء کرام اور مفتیان دین نے جو فتوے دیئے اور اپنی جو آراء پیش کیں انھیں مختصراً ذیل میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اور فیصلہ قارئین کی صوابدید پر چھوڑا جاتا ہے کہ ان مفتیانِ دین نے صحیح فتوے دیئے تھے یا غلط؟

باب پنجم

سیاسی لیڈران اور مذہبی علماء کرام کے فتاوی!

کہ

انگریز سے جہاد کرنا ناجائز ہے

۱ ۔ حضرت سید احمد بریلوی مجدد سیزدہم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

" جب آپ سکھوں پر جہاد کرنے کو تشریف لئے جاتے تھے کسی شخص نے پوچھا کہ آپ اتنی دُور سکھوں پر جہاد کرنے کیوں جاتے ہیں۔ انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں اور دین اسلام سے منکر ہیں گھر کے گھر میں ان سے جہاد کر کے ملک ہندوستان لے لیں یہاں لاکھوں آدمی آپ کے شریک اور مددگار ہو جائیں گے۔ جواب دیا۔ . . . . . سرکار انگریزی گو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم و تعدی نہیں کرتی اور نہ ان کو فرض مذہبی اور عبادت لازمی سے روکتی ہے پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلاف اصولِ مذہب طرفین کا خون بلا سبب گرا دیں۔" (مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۰۸ بحوالہ سوانح احمدی ص ۷۰)

۲ ۔ حضرت سید محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال کے جواب میں کہا۔

(ا) "ایک شخص نے دریافت کیا آپ انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے۔ آپ نے جواب دیا ان پر جہاد کسی طرح واجب نہیں ہے ایک تو ان کی رعیت ہیں دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح آزادی ہے بلکہ ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔"

(حیات طیبہ ص ۳۶۴۔ از مرزا حیرت دہلوی)

(ب) "مولوی اسماعیل صاحب نے یہ اعلان دیدیا تھا۔ سرکار انگریزی پر جہاد مذہبی طور پر واجب ہے۔ نہ ہمیں اس سے کچھ مخاصمت ہے۔ ہم صرف سکھوں سے اپنے بھائیوں کا انتقام لیتے ہیں یہی وجہ تھی کہ حکام انگلشیہ کو بالکل خبر نہ ہوئی اور نہ ان کی تیاری پر مانع آئے۔" (حیات طیبہ ص ۲۰۱ مصنفہ مرزا حیرت دہلوی)

(ج) "یہی وجہ تھی کو مولوی اسماعیلؒ دہلوی۔ جو حدیث و قرآن سے باخبر اور اس کے پابند تھے اپنے ملک ہندوستان میں انگریزوں سے (جن کے امن و عہد میں رہتے تھے) نہیں لڑے اور نہ اس ملک کی ریاستوں سے لڑے ہیں اس ملک سے باہر ہو کر قوم سکھوں سے (جو مسلمانوں کے مذہب میں دخل اندازی کرتے تھے کسی کو اونچے اذان نہیں کہنے دیتے تھے) لڑے۔" (الاقتصاد فی مسائل الجہاد ص ۴۹۔ ۵۰۔ مؤلفہ محمد حسین بٹالوی صاحب)

۳۔ سرسید احمد خاں صاحب مرحوم نے لکھا

"مسلمان ہماری گورنمنٹ کے مستامن تھے۔ کسی طرح گورنمنٹ کی عملداری میں جہاد نہیں کر سکتے تھے۔" (اسباب بغاوت ہند)

۴ ۔ مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی شیخ الکل نے کہا

" جبکہ شرط جہاد کی اس دیار میں معدوم ہوئی تو جہاد کا یہاں کرنا سبب ہلاکت اور معصیت ہوگا،، (فتاویٰ نذیریہ جلد ۴ ص ۴۷۲)

۵ ۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے لکھا ہے

(۱) " اس نتیجہ کو ناواقف اہل اسلام ملاحظہ فرما کر پیش نظر رکھیں اور صرف کفر کی نظر سے ہر ایک مخالف مذہب سے جنگ و مقابلہ کرنے کو شرعی جہاد نہ سمجھ لیا کریں۔ عہد و امن والوں سے لڑنا ہرگز شرعی جہاد (ملکی ہو خواہ مذہبی) نہیں ہو سکتا ہے بلکہ عناد و فساد کہلاتا ہے۔" (الاقتصاد فی مسائل الجہاد ص ۴۹)

(۶) اہل حدیثوں کے لیڈر نواب سید محمد صدیق حسن خاں کہتے ہیں

۱۸۷۵ء میں مولوی محمد حسین،

سرگروہ موحدین لاہور نے بجواب سوال و مسئلہ اور اس فتویٰ کے کہ آیا بمقابلہ گورنمنٹ ہند مسلمانان ہند کو جہاد کرنا اور اپنی مذہبی تقلید میں ہتھیار اٹھانا چاہیئے یا نہیں ۔ یہ جواب دیا ہے اور بیان کیا ہے کہ جہاد اور جنگ مذہبی بمقابلہ برٹش گورنمنٹ ہند یا بمقابلہ اس حاکم کے کہ جس نے آزادیٔ مذہب دے رکھی ہے از روئے شریعت اسلام خلاف و ممنوع ہے اور وہ لوگ جو بمقابلہ برٹش گورنمنٹ ہند یا کسی اس بادشاہ کے کہ جس نے آزادیٔ مذہب دی ہے ہتھیار اٹھاتے ہیں اور مذہبی جہاد کرنا چاہتے ہیں کل ایسے لوگ باغی ہیں اور مستحق سزا کے مثل باغیوں کے شمار ہوتے ہیں۔

پھر مولوی محمد حسین نے اپنے اسی دعویٰ اور جواب کی تصدیق میں کل علماء

ملک پنجاب واطراف ہند کے پاس اپنے فتوے جوابی کو بھیجدیا اور اچھی طرح سے مشتہر کیا اور کل علماء ہند و ملک پنجاب سے اس بات کی تصدیق میں اقرار مُہری اور دستخطی کرالیا کہ عموماً مسلمانان ہند کو ہتھیار اٹھانا اور جہاد بمقابلہ برٹش گورنمنٹ ہند کرنا خلاف مسئلہ سنت وایمان موحدین ہے۔ اور نیز کل علماء ملک پنجاب و ہند نے تائید قول مولوی محمد حسین کی کی ہے اور اپنے اپنے دستخط و مُہر کر کے مولوی محمد حسین کو اس فتویٰ میں بہت سچا اور سب نے اپنی اپنی رضائے اسلامی و ایمانی سے اس فتویٰ کو قبول کیا ہے اور جانا اور مانا ہے کہ بمقابلہ گورنمنٹ ہند فرقہ موحدین کو ہتھیار اٹھانا خلاف ایمان و اسلام کے ہے۔

پھر مولوی محمد حسین نے اس بات کی استدعا کی تھی کہ وہابیان ملک ہزارہ کے نزدیک ایک عالم ایلچی بذریعہ مسلمانان ہند کے بھیجا جاوے اور وہ مع اس فتویٰ کے جاکر اس ناسمجھ گروہ کو مطلع کر دے کہ جہاد بمقابلہ برٹش گورنمنٹ ہند کے ممنوع ہے اور نیز ان کو آگاہ کر دے کہ ان کی اس نافہمی کے خونریزی و قتال و جہاد پر سخت گناہ ثابت ہے اور سب کا گناہ ان کے سر پر وارد شرعی ہے اور جو کہ از روئے شریعت اسلام برٹش گورنمنٹ ہند سے جہاد کرنا خلاف طریقہ اسلام و شریعت حنفہ کے ہے۔ اس لئے ان کو خیر خواہی گورنمنٹ ہند میں برابر مستعد رہنا چاہیئے۔ چنانچہ یہ دعویٰ ارسال رسل مولوی محمد حسین کا سر ہنری ڈیولیس لیفٹنٹ گورنر بہادر ممالک پنجاب کے اجلاس میں پیش کیا گیا تھا۔ بجواب درخواست مذکور لفٹنٹ گورنر صاحب موصوف نے مولوی محمد حسین کا شکریہ خیر خواہی ادا کیا۔"

(ترجمان وہابیہ ص ۶۱، ۶۲ مصنفہ سید نواب محمد صدیق حسن خاں)

(ب) پس فکر کرنا ان لوگوں کا جو اپنے حکم مذہبی سے جاہل ہیں اس امر میں کہ حکومت برٹش مٹ جائے اور یہ امن وامان جو آج حاصل ہے فساد کے پردے میں جہاد کا نام لے کر اُٹھا دیا جائے سخت نادانی اور بیوقوفی کی بات ہے . . . کتب تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو امن وآسائش وآزادگی اس حکومت انگریزیہ میں تمام خلق کو نصیب ہوئی ہے کسی حکومت میں نہ تھی۔" (ترجمان وہابیہ ص ۷-)

۷ - نورالحسن خاں خلف الرشید جناب سید نواب صدیق حسن خاں بھوپالوی نے لکھا ہے ۔

" جو لوگ اس علم سے ناواقف ہیں وہی فتویٰ جہاد کے حق میں ہر فتنے کے دیتے ہیں ورنہ دنیا میں مدحت سے صورت جہاد کی نہیں پائی جاتی ۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ حکم جہاد کا اسلام میں نہیں ہے یا تھا مگر اب منسوخ ہوگیا ہے ۔ یہ کہتے ہیں کہ اس زمانہ کی لڑائی بھڑائی خواہ مسلمان وکافر میں ہو یا باہم مسلمانوں کے مشکل ہے کہ جہاد ٹھہر سکے ۔" (اقتراب الساعۃ ص ۷)

۸ - خاں بہادر مولوی عبداللطیف صاحب سیکریٹری محمڈن لٹریری سوسائٹی کلکتہ لکھتے ہیں ۔

" اب اگر کوئی گم کردہ راہ مجنوں اپنی الٹی قسمت کی وجہ سے ملک ہندوستان کے انگریز حاکموں کے جنگ شروع کردے تو اس قسم کی جنگ کو بغاوت تصور کیا جائیگا اور بغاوت اسلامی فقہ میں سخت منع ہے اس لئے یہ جنگ بھی ناجائز ہوگی اگر کوئی شخص کسی حالت میں بھی ایسی جنگ کرے گا تو مسلمان اپنے حاکموں کا ساتھ دینے پر مجبور ہوں گے اور انکے ساتھ ملکر باغیوں سے جنگ کریں گے ۔" (ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۳۱۶)

۹ ۔ ۲۴ مئی ۱۸۷۵ء کو ملکہ معظمہ کی سالگرہ کے دن جناب مولوی محمد کریم ڈپٹی علیگڑھ کی زیر صدارت ایک مدرسہ کا افتتاح کیا گیا۔ یہی مدرسہ بعد میں علی گڑھ کالج اور پھر علی گڑھ یونیورسٹی بنا۔ اس کالج کے سب سے پہلے پرنسپل مسٹر سڈنس تھے۔" (مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۲۱۰، ۲۱۲)

۱۰ ۔ انڈین نیشنل کانگرس کا قیام

جس زمانے میں لارڈ ڈفرن ہندوستان کا وائسرائے تھا۔ اس نے ۱۸۸۵ء میں ایک ریٹائرڈ سول افسر ایلن آکٹوین ہوم کو آمادہ کیا کہ وہ تعلیم یافتہ ہندوستانی باشندوں کے تعاون سے انڈین نیشنل کانگرس کی تنظیم کرے۔ تو ۲۸ ر دسمبر ۱۸۸۵ء کو بمبئی میں ڈبلیو سی بنر جی کی صدارت میں انڈین نیشنل کانگریس کا پہلا اجلاس ہوا اور اس کی سیاسی پالیسی کا اعلان دوسرے سال کلکتہ میں مسٹر دادا نوروجی نے ان الفاظ میں کیا۔

(و) " بات یونہی سی ہے لیکن آؤ ہم مردوں کی طرح صاف صاف کہہ دیں کہ ہم وفادار ہیں دل و جان سے وفادار (تالیاں) اس راج نے ہمیں بتایا کہ بادشاہ رعایا کے لئے بنایا جاتا ہے نہ کہ رعایا بادشاہ کے لئے ہم نے ایشیائی استبداد کی تاریکی میں یہ نیا سبق آزاد مغربی تہذیب کی روشنی سے سیکھا ہے۔"

(کانگریس کی صدارتی تقریر دادا بھائی نوروجی ۱۸۸۶ء کلکتہ)

(ب) " ہمیں مردانہ وار کہنا اور اعلان کر دینا چاہیئے کہ ہم سر سے پاؤں تک وفادار ہیں۔"

(مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۲۹۲)

(ج) مولوی حسین احمد صاحب مدنی کانگریس کے متعلق لکھتے ہیں۔

" عام لوگ جو مسلمانوں کی گذشتہ دو سو سال کی جدوجہد کی تاریخ سے بے خبر ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان میں کانگریس ہی سب سے بڑی اور سب سے پہلی

وطنی جماعت ہے۔ جو ملک کو اجنبی اقتدار سے آزاد کرنے کے لئے کھڑی ہوئی اس قسم کا خیال کرنا تاریخی اعتبار سے بالکل غلط ہے کیونکہ اول تو کانگریس کی ابتدا ۱۸۵۷ء کے بہت بعد (۱۸۸۵ء) میں ہوئی اور پھر اس کے اولین مقاصد میں ملک کو آزاد کرانا نہیں بلکہ انگریزوں اور ہندوستانیوں میں باہمی اعتماد پیدا کرنا اور ان کے دلوں کو ایک کرنا تھا۔ چنانچہ کانگریس کا پہلا اجلاس جو ۲۸ر دسمبر ۱۸۸۵ء کو مسٹر بنرجی وکیل کلکتہ کی زیر صدارت بمبئی میں منعقد ہوا تھا اور جس میں بمبئی کے مشہور مسلمان تاجر مسٹر رحمت اللہ سیانی اور دوسرے مسلمان بھی شریک ہوئے تھے اس میں کانگریس کے مقاصد حسب ذیل تھے۔

۱ ۔ ہندوستان کی آبادی جن مختلف عناصر سے مرکب ہے۔ ان سب کو متحد و متفق کر کے ایک قوم بنانا۔

۲ ۔ اس طرح جو ہندوستانی قوم پیدا ہو اس کی دماغی۔ اخلاقی اور اجتماعی وسیاسی صلاحیتوں کو بیدار کرنا۔

۳ ۔ ایسے حالات کی اصلاح و ترمیم کرانا جو ہندوستان کے لئے نقصان کا باعث اور غیر منصفانہ ہوں اور ہندوستان اور انگلستان میں اتحاد و یگانگت کو استوار کرنا۔

اس واقعہ سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱ ۔ مسلمان اور ہندو اور دوسرے مذاہب کے ارباب نظر نے ۱۸۵۷ء کے بعد ہی یہ محسوس کر لیا تھا کہ انگریز اپنی حکومت کو مضبوط اور دیرپا بنانے کے لئے ہندو اور مسلمانوں کے مذہبی اختلاف سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جیسا کہ انھوں نے کیا۔ اس بنا پر انھوں نے کانگریس کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی قرار دیا تھا کہ ہندوستان کی سب قوموں کو ملا کر ہندوستانی قوم بنایا جائے۔

۲ ۔ کانگریس کے قیام کا مقصد انگریزوں سے ملک واپس لینا نہیں تھا بلکہ راعی اور رعایا دونوں کے باہمی تعلقات کو خوشگوار رکھنا تھا۔ (نقش حیات جلد دوم ص ۱۴۳، ۱۴۴)

(۵)۔ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کی کانگریس کے متعلق رائے۔

"میں اگرچہ کانگریسی ہوں اور میں نے ہمیشہ کانگریس کے جھنڈے تلے کام کیا ہے مگر مجھے اس کے کہنے میں پس و پیش نہیں ہے کہ کانگریس کی محنت اور قربانی کا نتیجہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان کی حکومت انگریزی سرمایہ داروں کے ہاتھ سے نکل کر ہندوستان کے سرمایہ داروں کے ہاتھ دے دی جائے بلکہ ڈومینین سٹیٹس کی شکل میں تو جو حکومت ہندوستان پر قائم ہوگی اس میں ہندوستانی اور انگریز سرمایہ دار مل کر یہاں کے غرباء کو کچلنے کی کوشش کریں گے۔"

(تاریخ احرار)

غرض کانگریس کا جو بنیادی مقصد تھا وہ انگریز کی وفاداری اور حکومت اور پبلک کے باہمی تعلقات کو خوشگوار رکھنا ہی تھا اور بس۔

۱۱ ۔ شمس العلماء مولانا ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی نے کہا

"ہندوؤں کی عملداری میں مسلمانوں پر طرح طرح کی سختیاں رہیں اور مسلمانوں کی حکومت میں بعض ظالم بادشاہوں نے ہندوؤں کو ستایا۔ الغرض یہ بات خدا کی طرف سے فیصل شدہ ہے کہ سارے ہندوستان کی عافیت اس میں ہے کہ کوئی اجنبی حاکم اس پر مسلط رہے جو نہ ہندو ہو نہ مسلمان ہی ہو۔ کوئی سلاطین یورپ میں سے ہو مگر خدا کی بے انتہا مہربانی اس کی مقتضی ہوئی کہ انگریز بادشاہ ہوئے۔"

(مولانا نذیر احمد کے لیکچروں کا مجموعہ بار اول مطبوعہ ۱۸۹۰ء ص ۴، ۵)

(ب) ایڈیٹر چٹان نے ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے متعلق لکھا ہے
"جن لوگوں نے حوادث کے اس زمانے میں نسخ جہاد کی تاویلوں کے علاوہ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ میں اُولِی الۡاَمۡر کا مصداق انگریزوں کو ٹھہرایا ان میں مشہور انشاپرداز ڈپٹی نذیر احمد کا نام بھی ہے . . . . انھوں نے قرآن کریم کے ترجمے میں انگریزوں کو پہلی دفعہ اُولو الامر قرار دیا ہے اور ان کی اطاعت کو اللہ اور رسول کی اطاعت سے مستلزم . . . . دیکھو داستان تاریخ اردو مصنفہ حامد حسن قادری ص ۱۴۸)

(کتاب عطاء اللہ شاہ بخاری ص ۱۳۵ مصنفہ شورش کشمیری)

۱۲ ۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کے جملہ ممبران کا اعلان ۔

"عنایاتِ گورنمنٹ کے عوض میں ہمارا فرض ہے کہ ہم گورنمنٹ کے ہمیشہ وفادار رعایا بنے رہیں۔ اور مسلمانوں کو تو دوہرا فائدہ ہے۔ رعایا ہونے کا حق علیحدہ ادا۔ ثواب کا ثواب۔ کیونکہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں تعلیم دی ہے اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ ۔ خدا ایسی سلطنت کو مدت تک ہمارے سر پر قائم رکھے جس کے سایۂ عاطفت میں اتنا آرام پایا اور ہمیشہ ہم کو اس کا تابعدار رکھے۔" (مطبوعہ رپورٹ انجمن حمایت اسلام ۱۹۰۳ء)

۱۳۔ اہل تشیع حضرات کا اعلان

سر ولیم ہنٹر صاحب نے شیعہ گروہ کے متعلق اپنے تاثرات ان الفاظ میں ظاہر کئے ہیں۔

"بغاوت کے غیر ضروری ہونے پر ان کا اعلان بغیر کسی دباؤ کے واقع ہوا

اور یہ بات نہایت ہی خوب ہے کہ ایسا اعلان باضابطہ طور پر تحریر میں آگیا۔ اس دستاویز پر مستند اور قابل اعتماد شیعہ علماء کی مہریں ثبت ہیں اور یہ پورا فرقہ اس پر ہمیشہ عمل کرنے کے لئے مجبور ہے اس قسم کے باقاعدہ وعدوں کے بغیر بھی وہ قدرتاً وفادار ہیں۔" (ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۱۷۹)

۱۴۔ علماءِ احناف کے فتاویٰ

علماء احناف نے انگریزوں کی حمایت اور جہاد کی مخالفت میں مضامین اور فتاویٰ لکھے اور وسیع پیمانہ پر ان کو شائع کیا گیا۔ شیعوں کے فتوؤں کا ذکر کرنے کے بعد ہنٹر سُنیوں و احناف کے فتووں کے متعلق لکھتا ہے۔

"اب میں مسلمانوں کے دوسرے بڑے فرقے کے باقاعدہ فتووں کا ذکر کرتا ہوں۔ ہندوستان میں سُنی مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ ایک عرصہ سے اس اعلان میں نمایاں حصہ لے رہے ہیں کہ ہم پر مذہباً بغاوت کا کوئی فریضہ عائد نہیں ہوتا۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے دو قسم کے فتوے حاصل کئے ہیں۔ کلکتہ کی محمڈن لٹریری سوسائٹی نے اس مسئلہ پر تمام سنیوں کی رائیں ایک زوردار رسالہ کی شکل جمع کر دی ہیں۔"

(ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۱۸۰)

(ب) کلکتہ کی محمڈن لٹریری سوسائٹی کے جس رسالہ کا ہنٹر نے ذکر کیا وہ دراصل مولوی کرامت علی جونپوری کا ایک لیکچر ہے۔ جو انھوں نے ۲۲ نومبر ۱۸۷۰ء کو مذکورہ سوسائٹی کے اجلاس میں دیا تھا۔ یہی لیکچر بعد میں رسالہ کی صورت میں چھپا۔ رسالہ کا موضوع گورنمنٹ کے خلاف ممانعت جہاد تھا۔"

(ہفت روزہ الاعتصام ۹/۱۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء ص ۵)

۱۵ ۔ شمالی ہند کے علماء کرام کے فتاویٰ۔

شمالی ہند کے جن علماء کرام کا فتویٰ ہنٹر نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے وہ یہ حضرات ہیں۔

" مولانا عبدالحی لکھنوی، مولانا محمد علی لکھنوی، مولانا فیض اللہ لکھنوی۔ مولانا محمد نعیم لکھنوی۔ مولانا رحمت اللہ لکھنوی۔ مولانا قطب الدین لکھنوی۔ مفتی سعداللہ لکھنوی مولانا لطیف اللہ رامپوری۔ مولانا غلام علی رامپوری الخ

(ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۳۱۵)

۱۶ ۔ مولوی سمیع اللہ صاحب

" آپ (یعنی مولوی مملوک علی صاحب امیر اوّل تحریک دیوبند) کے تلامذہ میں مولوی سمیع اللہ بڑی شہرت کے مالک اور گورنمنٹ کے معتمد علیہ آدمی تھے جن کے متعلق محمد ایوب قادری صاحب لکھتے ہیں۔

" ۱۶ ستمبر ۱۸۸۴ء کو مولوی سمیع اللہ مصر میں انگریزوں کے استعمار کو مضبوط کرنے کی غرض سے پولیٹکل مشن پر مصر گئے اور وہاں انھوں نے جمال الدین افغانی کی تحریک کو نقصان پہنچایا۔ ان خدمات کے صلہ میں ان کو سی۔ ایم۔ جی کا خطاب ملا"

(مولانا محمد احسن نانوتوی ص ۱۸۴ والاعتصام ۲ اکتوبر ۱۹۷۶ء ص ۹)

۱۷ ۔ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے کہا۔

" میں جب حقیقت میں سرکار کا فرماں بردار رہا ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بیکا نہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے"

(تذکرۃ الرشیدیہ جلد اوّل ص ۸۰)

(الاعتصام ۲؍ اکتوبر ۱۹۷۰ء ص ۷)

۱۸ ۔ فرقہ اہل حدیث کی طرف سے اعلان۔

"ہندوستان کے تمام طبقات رعایا سے صرف ایک یہی فرقہ اہل حدیث ہے جو اس سلطنت کے زیر سایہ رہنے کو بلحاظ امن و آزادی مذہبی اسلامی سلطنتوں کے زیر سایہ رہنے سے بہتر جانتا ہے کیونکہ اس فرقہ کو بجز اس سلطنت کے کسی اور سلطنت میں اسلامی کیوں نہ ہو پوری آزادی حاصل نہیں ہے۔"

(اشاعت السنۃ جلد ۹ نمبر ۷ ص ۱۹۳ تا ۱۹۶)

۱۹ ۔ ۳۰ ؍ دسمبر ۱۹۰۶ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا پہلا اجلاس زیر صدارت جناب نواب وقار الملک ہوا جس کے مقاصد بیان کرتے ہوئے انھوں نے کہا۔

"مسلمانان ہند کے دل میں برٹش گورنمنٹ کی نسبت وفادارانہ خیالات کو ترقی دینا اور گورنمنٹ کی کسی کارروائی کے متعلق ان میں جو غلط فہمی پیدا ہو اسے دُور کرنا۔" (مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۳۵۶)

۲۰ ۔ مولوی کرم دین آف بھین (جہلم) کہتا ہے

"امام مہدی ہماری دولت برطانیہ کا مقابلہ کیوں کریں گے جبکہ کروڑوں مسلمان اس حکومت میں آرام پا رہے ہیں۔

(اخبار سراج الاخبار ۱۱ ؍ جون ۱۸۹۴ء)

۲۱ ۔ سید نواب صدیق حسن خاں کی بیگم صاحبہ کا کردار

"۱۸۱۶ء سے آج کا دن ہے کہ کسی نے سرکار برٹش سے کسی قسم کی مخالفت

وسرکشی نہیں کی بلکہ بپابندی قول و قرار مذکور زمانہ غدر ہندوستان میں جبکہ اکثر رعایا خالصہ انگریزی کی بدل گئی رؤسا ہند نے بقدر اپنی طاقت و مقدرت کے سرکار برطانیہ کو رسد و فوج اور مال سے مدد واجبی دی۔ نواب سکندر بیگم صاحبہ مرحومہ نے بھوپال سے تا جھانسی فوج ریاست بھیجی اور غلہ واجناس علاقہ بھوپال سے ہر طرح کی اعانت کی۔ اسی طرح نواب شاہ جہان بیگم صاحبہ عالیہ نے ہنگامۂ فوج کشی کابل میں مستعدی اپنی واسطے مدد سرکار انگریزی کے فوج و مال سے ظاہر کی اور سال حال میں جبکہ مہم مصر پیش آئی طرح طرح کی دلسوزی اور اعانت ظاہر فرمائی یہاں تک کہ جب سرکار نے اعرابی پاشا کو شکست دی اور ملک مصر پھر توفیق پاشا خدیو مصر پر مسلّم ہوا تو اس کی خوشی میں اُنواب قلعہ فتح گڑھ سے سرکین اور خریطہ خط تہنیت روانہ صدر کیا اسی طرح ہر موقعہ میں باتفاق نامہ نگار سب سے پہلے اپنی خیر سگالی اور مدد دہی کا ارادہ سچے دل سے ظاہر کیا جس کا شکریہ ذریعہ تحریر سرشتہ و تار ہائے برقی مکرر سہ کرر طرف سے جناب ویسرائے کشور ہند کے معرض اظہار میں آیا اور یہ کارروائی موجب کمال خوشی حکام عالی مقام ہوئی۔"

(اشاعۃ السنۃ جلد ۶ نمبر ۷ ص ۲۰۸ رد یو ترجمان وہابیہ) جولائی ۱۸۸۳ء

"جہاد کا مسئلہ اسلام کے ہر فرقہ و مذہب (شیعہ سنی حنفی اہلحدیث) کی کتابوں میں موجود ہے مگر وہ ایسی شرائط پر موقوف ہیں کہ ان کا وجود سیکڑوں سال سے معدوم ہے و بناءً علیہ وہ مسئلہ گورنمنٹ انگلشیہ کے متعلق نہیں ہو سکتا . . . مفسد و باغی ہر قوم میں ہوتے ہیں دیکھو سرحدی اقوام (جو وہابیوں کے بھی سخت دشمن ہیں) سرکار سے ہمیشہ فساد برپا رکھتے ہیں (۶) اسی وجہ سے

زمانہ غدر کا جنگ شرعی نہیں سمجھا گیا۔ ۔ ۔ ۔ (۱۹)۔ جو اہلحدیث ہوگا وہ کبھی گورنمنٹ کا مخالف و باغی نہ ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ جو کچھ مسئلہ جہاد اور اطاعت سلطنت کی باب میں ان کا عقیدہ ہے خدا و رسول اور قرآن و حدیث کا وہی حکم و فیصلہ ہے وہ اپنے اس اعتقاد پر قائم و مستحکم رہیں اور سلطنت کی اطاعت و عدم بغاوت کو اپنی ایمان و اسلام کا جزو سمجھتے رہیں۔"

(رسالہ اشاعت السنۃ جلد ۶ نمبر ۷ جولائی ۱۸۸۳ء ص ۲۱۶ تا ۲۱۸)

۲۲ ۔ مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی جب حج کرنے کے لئے جا رہے تھے اس کے متعلق مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے لکھا۔

"مولانا ممدوح نے دہلی سے سفر حج کا ارادہ کیا تو صرف اسی خوف سے کہ مکہ مکرمہ میں مولوی رحمت اللہ اور حاجی امداد اللہ تشریف رکھتے ہیں اور وہ ہمیشہ اہلحدیث کی ایذا رسانی میں ساعی ہیں اور خاصکر مولوی رحمت اللہ تو جناب ممدوح کے تو وہ زمانہ غدر سے خون کے پیاسے ہیں۔ مولانا ممدوح نے دو انگریزی چٹھیاں اپنے ساتھ لیں ایک تو صاحب کمشنر دہلی کی چٹھی جو حاشیہ میں منقول ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک بڑے رہنما (یا نامور) مولوی ہیں جنھوں نے مشکل وقتوں میں اپنی نمک حلالی گورنمنٹ پر ثابت کی ہے اب وہ اپنے فرض زیارت کعبہ کی ادا کرنے کو مکہ جاتے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ جس کسی افسر برٹش گورنمنٹ کی وہ مدد چاہیں گے وہ ان کو مدد کرے گا کیونکہ وہ کامل طور سے اس مدد کے مستحق ہیں (دستخط جی ڈی ٹریملٹ بنگال سول سروس کمشنر دہلی ۱۰ اگست ۱۸۸۳ء) " دوسری مسٹر لیسن کی چٹھی بنام کانسل مقیم جدہ جس میں

مولانا ممدوح کی خیر خواہی زمانہ غدر کا بیان مفصل بیان تھا اور اس میں مولانا ممدوح کے مخالفین مقیم مکہ کا حال بھی جتایا گیا تھا تاکہ کانسل برٹش گورنمنٹ ان کے شر و فساد سے مولانا کو بچاوے اور ان کی رعایا گورنمنٹ ہونے اور زمانہ غدر خیر خواہی کی رعایت کرے۔" یہ چٹھیاں ساتھ لے کر مولانا ممدوح دہلی سے روانہ ہوئے تو ادھر سے آپ کے حریف بھی (جو . . . . . آپ کے جانی دشمن اور خون کے پیاسے ہیں اور آپ کے قتل کو اپنا مذہبی فرض جانتے ہیں) آپ کے تدارک کے لئے مستعد ہوئے . . . . . جب مولانا ممدوح مکہ شریف میں پہنچے . . . تو مولانا ممدوح کو جام شہادت پلانے یا مکہ میں قید کرانے کے لئے ان حضرات نے وہاں ایک کمیٹی مقرر کی جس کے پریسیڈنٹ وہی رحمت اللہ مذکور تھے اور ممبر حاجی امداد اللہ تھے . . . . . مولانا ممدوح کو گرفتار کرایا اور جمعہ کی نماز تک نہ پڑھنے دی اور بادشاہ کے دربار میں طلبی ہوئی . . . . تو مولانا ممدوح نے کہا . . . کہ ہم سے جو اصولاً و فروعاً اہلسنت ہونے کے مدعی ہیں یہ دار و گیر ہو رہی ہے اور طرفہ یہ ہے کہ عین حرم محترم میں محرمات قطعیہ اتفاقیہ کا ارتکاب ہو رہا ہے (جیسے آب زمزم کا عین مسجد الحرام میں بیع کرنا وغیرہ) ان سے کوئی تعرض نہیں کرتا اور ہم کو باوجود عدم صدور کسی جرم شرعی کے صرف تہمتوں کے سبب یہ مواخذہ ہو رہا ہے اس سے بڑھ کر کیا ظلم ہو گا ہم لوگ انگریزوں (عیسائی مذہب) کی عملداری میں آزادی کے ساتھ اپنے شعار مذہبی ادا کرتے ہیں جمعہ جماعت سے روکے نہیں جاتے۔ اپنے خیال و اعتقاد میں خود مختار آزاد ہیں یہاں مسلمانوں کی عملداری میں حرم محترم کے طواف اور جمعہ اور جماعت سے

بند ہیں پھر ہم کیونکر نہ کہیں کہ اس آزادی کی نظر سے عیسائیوں کی عملداری مسلمانوں کی عملداری سے بہتر ہے" . . . . "ہماری فخر و عزت اس اسلامی سلطنت کو دیکھو کہ مسلمان ہو کر مسلمانوں کو ذراسی احتیاطی نظر بندی پر نماز جمعہ سے رُوکا پھر ہم کیونکر نہ کہیں کہ اس آزادی کی نظر سے برٹش سلطنت اسلامی سلطنتوں سے بہتر ہے جو لوگ ہماری ایسی باتوں کو اسلام یا سلطان روم یا پاشائے مکہ اہانت قرار دیتے ہیں وہ ہم کو اس بات کا جواب دیں حدیث سے نہ ملے تو فقہ ہی سے اس کی تائید میں سے کوئی روایت نکال کر بتا دیں ورنہ ہم پر اعتراض کرتے ہوئے شرما دیں اور انصاف کو کام میں لادیں۔ (حاشیہ) (رسالہ اشاعت السنۃ جلد ۶ نمبر ۱۰ ص ۲۹۴ تا ۳۱۰ جولائی ۱۸۸۳ء۔)

"سلطنت روم ہمارا فخر ہے اور سلطان رُوم ہماری عزت کیونکہ وہ سلطنت اسلامی سلطنت ہے اور سلطان ایک اسلامی بادشاہ ولیکن امن عام و حسن انتظام کی نظر سے (مذہب سے قطع نظر) برٹش گورنمنٹ بھی ہم مسلمانوں کے لئے کچھ کم فخر کا موجب نہیں ہے اور خاصکر گروہ اہل حدیث کے لئے تو یہ سلطنت بلحاظ امن و آزادی اس وقت تمام اسلامی سلطنتوں (روم، ایران، خراسان) سے بڑھ کر فخر کا محل ہے۔ (اشاعت السنۃ ص ۲۹۲۔ اکتوبر جلد ۶ نمبر ۱۰ ۱۸۸۳ء)

۲۳۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا سنگ بنیاد رکھتے وقت اعلان۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کا سنگ بنیاد آنریبل سر جان پر سکاٹ ہیوٹ لیفٹننٹ گورنر بہادر ممالک متحدہ آگرہ واودھ نے رکھا تھا اس "حیرت انگیز عظیم الشان جلسہ" کی کارروائی بیان کرتے ہوئے الندوہ نے اپنے شذرات

میں لکھا " یہ پہلا ہی موقعہ تھا کہ مقدس علمار عیسائی فرمانروا کے سامنے دلی شکرگذاری کے ساتھ ادب سے خم تھے۔ یہ پہلا ہی موقعہ کہ شیعہ و سنی ایک مذہبی تعلیم گاہ رسم افتتاح ادا کرنے میں برابر کے شریک تھے۔ یہ پہلا ہی موقعہ تھا کہ ایک مذہبی درسگاہ کا سنگ بنیاد ایک غیر مذہب کے ہاتھ سے رکھا جا رہا تھا (مسجد نبوی کا ممبر بھی ایک نصرانی نے بنایا تھا) غرض یہ پہلا ہی موقعہ تھا کہ ایک مذہبی سقف کے نیچے نصرانی مسلمان، شیعہ۔ سنی۔ حنفی۔ وہابی۔ رند۔ زاہد۔ صوفی۔ واعظ۔ خرقہ پوش کجکلاہ سب۔ جمع تھے۔ مصرعہ آباد ایک گھر ہے جہان خراب میں

یہ آنریبل لفٹنٹ گورنر بہادر ممالک متحدہ نے منظور فرمایا تھا کہ وہ دار العلوم ندوۃ العلوم کا سنگ بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھیں گے۔ یہ تقریب ۲۸ نومبر ۱۹۰۸ء کو عمل میں آئی۔"

(الندوہ دسمبر ۱۹۰۸ء جلد ۵ نمبر ۱۰ ص ۱، ۲) (مقالات شبلی جلد ۸ ص ۹۴ طبع دوم)

(ب) " ندوہ اگرچہ پالٹکس سے بالکل الگ لیکن چونکہ اس کا اصلی مقصد روشن خیال علمار کا پیدا کرنا ہے اور اس قسم کے علمار کا ضروری فرض یہ بھی ہے کہ گورنمنٹ کی برکات حکومت سے واقف ہوں اور ملک میں وفاداری کے خیالات پھیلائیں۔"

(رسالہ الندوہ ص ۱۔ جولائی ۱۹۰۸ء)

(ج) " انگلش گورنمنٹ کی سب سے بڑی خصوصیت جو اس کو تمام دنیا کی سلطنتوں کو ممتاز کرتی ہے۔ یہ ہے کہ اس نے رعایا کے تمام مختلف مذاہب کو آزادی دی ہے اور ان کے تمام معتقدات اور ارکان مذہبی کا اس طرح احترام کرتی ہے کہ کوئی شخص اپنے فرائض مذہبی کے بجالانے سے قاصر نہ رہے۔" (مقالات شبلی جلد ۸ ص ۲۳)

(۵) انگریزی گورنمنٹ کو تمام گورنمنٹوں پر اس بارہ میں فوقیت حاصل ہے کہ اس نے رعایا کو تمام مذہبی امور میں آزادی دی ہے اور کسی مذہب کے اصول اور مسائل میں دست اندازی نہیں کرتی۔" (مقالات شبلی جلد ۸ ص ۸)

دار العلوم ندوہ کے پریذیڈنٹ کی ہدایات

"۳۰ مئی ۱۹۱۰ء۔ ندوۃ العلماء کے تھوڑے عرصے میں ہندوستان کی اسلامی آبادی کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کچھ تعجب خیز ترقی نہیں کی بلکہ اس نے گورنمنٹ انگریزی کی طرف سے بھی اعتماد کا ووٹ حاصل کرلیا ہے۔"

ہم مسلمانوں کو علی الخصوص واجب الاحترام علماء کو خاص طور پر لفٹننٹ گورنر عالی جناب سرجان ہیوٹ صاحب بہادر بالقابہ کا دلی احسان مندی کے ساتھ شکریہ ادا کرنا چاہیئے جس کی خاص توجہ اور مہربانی سے "ہمیں دار العلوم ندوہ کے لئے ایک قطعہ زمین کا ملا۔ اور پانچ صد روپیہ کی گرانقدر امداد حاصل ہوئی۔" میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان پیشوایان اسلام کی خدمت میں جو اطراف ہندوستان سے اس جلسہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہیں یہ التماس کریں بلکہ اب یہ ہمارا فرض ہونا چاہیئے کہ ہم اپنی ہر ایک ممکن مدد کو ملک میں امن قائم رکھنے کے لئے گورنمنٹ کی خدمت میں پیش کریں ہمارے مقدس گروہ علماء کا ایک یہ بھی فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے وعظوں میں اہل اسلام کو برابر گورنمنٹ کے ساتھ ساتھ چلنے کی ہدایات فرماتے رہیں۔ میرا خیال ہے اگر ہم ایسا کریں گے تو ساتھ ساتھ ان اسلامی احکامات کی تعمیل بھی کریں گے جن کو مجھ سے زیادہ جاننے اور بتانے والے بہت سے بزرگوار اس جلسہ میں شریک ہیں۔"

(پیسہ اخبار لاہور ۳۰ مئی ۱۹۱۰ء)

۴۲ ۔ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم لکھتے ہیں

" سلطنت برطانیہ دنیا کی عظیم ترین اسلامی سلطنت ہے "

(ا) " اس حقیقت کا اعتراف کرنا ضروری ہے کہ شخصی آزادی کے نصب العین کے باوجود مسلمان ایشیا کی سیاسی اصلاح کے میدان میں کچھ نہ کر سکے ۔ ان کی جمہوریت کا اصول ایشیاء میں کوئی نیا نہ تھا (کیونکہ قدیم پارتھین حکومت اسی اصول پر قائم تھی) تاہم کسی نہ کسی وجہ سے اسلام کے ابتدائی دور میں یہ اصول ایشیائی اقوام کے مزاج سے موافقت نہ رکھتا تھا ۔ بہرحال یہ ایک مغربی قوم کے لئے مقدر تھا کہ وہ سیاسی میدان میں ایشیائی اقوام میں زندگی کی نئی روح پھونکے ، عصر حاضر میں جمہوریت کی ترویج برطانیہ کلاں کا عظیم مشن رہا ہے اور برطانوی سیاسی مدبر پوری جمہوریت کو ان ممالک میں لے گئے ہیں ۔ جو صدیوں سے بدترین مظالم اور مطلق العنانیت کی گرفت میں کراہ رہے تھے برطانوی سلطنت ایک وسیع سیاسی ادارہ ہے جس کی قوت کا سرچشمہ اس کا تدریجاً جمہوریت کی سلطنت کا دوام ہمارے اہم ترین مفادات کا تقاضا ہے ۔ یہ وسیع سلطنت ہماری کامل ہمدردی اور احترام کی مستحق ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے وجود میں ہمارے اپنے سیاسی نصب العین کا ایک پہلو بتدریج عمل و ظہور پذیر ہو رہا ہے ۔ انگلستان دراصل ہمارا ہی ایک عظیم فریضہ انجام دے رہا ہے جسے ہم غیر موافق حالات میں خود ادا نہ کر سکے اس کے زیر حفاظت مسلمانوں کی تعداد نے نہیں بلکہ برطانوی سلطنت کی رُوح نے اسے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت بنا دیا ہے "

(ب) " ہم میں سے جو لوگ مسلمانوں کے سواد اعظم سے ہٹ کر سیاسیات میں مخالفت پر کاربند ہیں ۔ انہیں ان احادیث پر توجہ کرنی چاہیئے اور اگر ان کے دلوں میں ارشادات

نبوی ؐ کا کوئی احترام ہے تو انہیں اپنی سیاسی روش کو بدلنا چاہیئے کیونکہ گو اس سے انہیں کچھ ذاتی فائدہ ہو تاہم یہ ملت کے لئے انتہائی مضرت رساں ہے۔ ان آیات و احادیث کے درج کرنے سے میرا مدعا اسلامی خطوط پر سیاسی فکر کی تخلیق و ترویج ہے اس ملک میں ہم ایک عیسائی حکومت کے ماتحت زندہ رہ رہے ہیں۔ ہمیں اپنی نگاہوں کے سامنے ان مسلمانوں کو رکھنا چاہیئے جنھوں نے اپنے ہم وطنوں کے مظالم سے تنگ آکر گھر بار چھوڑ دیا اور حبش کی عیسائی حکومت کے ماتحت سکونت اختیار کرلی۔ اس ملک میں ہمارا رہنما اصول ان مسلمانوں کی حبش میں روش ہونی چاہیئے کیونکہ ہمارے یہاں ملکی پس منظر سے خطرناک حد تک لاعلمی نے مغربی تصورات کی زاید از ضرورت خوراک کے زیر اثر لوگوں کو حکومت پر نکتہ چینی پر اُبھار رکھا ہے اور قرآن نے عیسائیوں کے متعلق ہماری روش کو اس آیت سے واضح کردیا ہے۔ "اور تم مؤمنوں سے دوستی میں زیادہ قریب ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم عیسائی ہیں کیونکہ ان میں عالم اور راہب ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔" (۵/۸۲) "

۲۵ - مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں

"کچھ شک نہیں کہ جہاد ایک سیاسی مسئلہ ہے جس کا تعلق افراد رعایا سے نہیں بلکہ حکومت سے ہے یعنی یہ کام حکومتِ اسلام کا ہے افرادِ اسلام کا نہیں پس شرط تو اس میں یہی ضروری ہے کہ بادشاہ اسلام ہو اس کے حکم سے جو جنگ ہو وہ جہاد ہے۔"

(اہل حدیث ۲۷ مئی ۱۹۳۲ء ص ۳ کالم ۲)

غرض ۱۸۵۷ء کے بعد ۱۹۱۰ء تک سر سید احمد خاں، سید نذیر حسین دہلوی، مولوی محمد حسین بٹالوی، سید نواب صدیق حسن خاں، سید نور الحسن خاں،

خان بہادر مولوی عبداللطیف کلکتہ، مولوی محمد کریم ڈپٹی کلکٹر علی گڑھ، شمس العلماء مولوی ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، مولوی عبدالحی لکھنوی، مولوی محمد علی لکھنوی، مولوی فیض اللہ لکھنوی، مولوی محمد نعیم لکھنوی، مولوی رحمت اللہ لکھنوی، مولوی قطب الدین لکھنوی، مفتی سعد اللہ لکھنوی مولوی لطیف اللہ رامپوری، مولوی غلام علی رامپوری، مولوی سمیع اللہ، مولوی کرم دین آف بھین ضلع جہلم جیسے جگادھری اور جید علماء کی تحریرات اور فتوے تھے کہ انگریز کے خلاف جہاد کرنا شرعاً ناجائز ہے۔

اور ہندوستان کی مذہبی اور سیاسی جماعتوں نے بھی جیسے اہل حدیث، علماء احناف، اہل تشیع، انجمن حمایت اسلام لاہور، بانیان علی گڑھ، بانیان دارالعلوم ندوہ نے بھی یہی حل بتلایا کہ انگریز کے خلاف جہاد شرعاً ناجائز ہے۔

اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے بھی کہا کہ

"میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار ہوں تو جھوٹے سے میرا بال بیکا نہ ہوگا۔"

اور علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کے متعلق تو آپ پڑھ چکے ہیں انھوں نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ

"برطانوی سلطنت کی رُوح نے اسے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت بنا دیا ہے۔"

اور پنجاب کے تمام بڑے بڑے زمینداروں اور نوابوں نے تو انگریز کی حکومت کو مستحکم کرنے کے لئے نہ صرف ان کی دامے درمے مدد کی بلکہ جان تک کی بھی قربانی کی۔

ان جید علماء کے فتووں کے ہوتے ہوئے اور مذہبی اور سیاسی جماعتوں اور زمینداروں اور نوابوں جیسے جاں نثاروں کی موجودگی میں حکومت برطانیہ کو کسی ایسے شخص کو اٹھانے کی کوئی ضرورت ہو سکتی ہے جو ان کے مذہب کی جڑ ہوں پر آکر تبر چلائے اور عیسائیت کی جڑ کاٹ کر رکھ دے۔

ع بدیں عقل و دانش بباید گریست

باب ششم

علماء اسلام کی آرا کہ ہندوستان دار الحرب ہے یا دار الاسلام؟

ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کے بعد علماء کرام کو جو مسائل درپیش تھے ان میں سے ایک مسئلہ تو یہ تھا کہ ہمارے اس ملک میں جب انگریزی حکومت قائم ہو چکی ہے اس کے خلاف جنگ کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز تو اس مسئلہ کا جو جواب علماء کرام نے دیا اسے آپ پڑھ چکے ہیں۔

اب رہا دوسرا مسئلہ جو علماء کرام کے زیر بحث آیا کہ ان حالات میں ہندوستان دارالاسلام کا حکم رکھتا ہے یا اب وہ دارالحرب ہے۔ اس کے متعلق بھی علماء کرام نے از روئے شریعت اپنی جو رائے دی ہے اس پر بھی آپ یکجائی طور پر نظر ڈال لیں تاکہ مسئلہ سمجھنے میں دقت نہ رہے۔ علماء کرام اور بزرگان اسلام کی آراء۔

۱۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی لکھتے ہیں

"اس مسئلہ اور اس کے دلائل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ملک ہندوستان باوجودیکہ عیسائی سلطنت کے قبضہ میں ہے دارالاسلام ہے اس پر کسی بادشاہ کو عرب کا ہو خواہ عجم کا۔ مہدی سوڈان ہو یا خود حضرت سلطان۔ شاہ ایران ہو خواہ امیر خراسان مذہبی لڑائی و چڑھائی کرنا جائز نہیں ہے۔"

(رسالہ الاقتصاد فی مسائل الجہاد ص ۲۵)

۲ ۔ سید نواب صدیق حسن خاں صاحب نے لکھا ہے

"علمائے اسلام کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ملک ہند میں جب سے حکام والا مقام فرنگ فرما نروا ہیں اس وقت سے یہ ملک دار الحرب ہے یا دار الاسلام۔

حنفیہ جن سے یہ ملک بالکل بھرا ہوا ہے ان کے عالموں اور مجتہدوں کا تو یہی فتویٰ ہے کہ یہ دار الاسلام ہے اور جب یہ ملک دارُ الاسلام ہوا تو پھر یہاں جہاد کرنا کیا معنے بلکہ عزم جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے۔

اور جن لوگوں کے نزدیک دار الحرب جیسے بعض علماء دہلی وغیرہ ان کے نزدیک بھی اس ملک میں رہ کر اور یہاں کے حکام کی رعایا اور امن وامان میں داخل ہو کر کسی سے جہاد کرنا ہرگز روا نہیں جب تک کہ یہاں سے ہجرت کر کے کسی دوسرے ملک اسلام میں جا کر مقیم نہ ہو۔ غرض یہ کہ دارُ الحرب میں رہ کر جہاد کرنا اگلے اور پچھلے مسلمانوں میں سے کسی کے نزدیک ہرگز جائز نہیں۔"

(ترجمان وہابیہ ص ۱۵)

۳ ۔ مفتیان مکہ معظمہ کا فتویٰ

"جمال الدین ابن عبداللہ شیخ عمر حنفی مفتی مکہ معظمہ، احمد بن ذہنی شافعی مفتی مکہ معظمہ اور حسین بن ابراہیم مالکی مفتی مکہ سے بھی فتاویٰ حاصل کئے گئے جن میں ہندوستان کے دار الاسلام ہونے کا اعلان کیا گیا تھا۔"

(کتاب سید عطاء اللہ شاہ بخاری مؤلفہ شورش کشمیری ص ۱۳۱)

۴ ۔ مولوی سید احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا فتویٰ

(أ) "ہندوستان دار الاسلام ہے اسے دار الحرب کہنا ہرگز صحیح نہیں ہے۔" (نصرة الابرار ص ۱۲۹ مطبوعہ لاہور)

(ب) بریلوی صاحبان کے متعلق شورش کشمیری نے لکھا

"انگریز کے اولوالامر ہونے کا فتویٰ دیا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے۔"

(ہفت روزہ چٹان لاہور ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۲ء)

۵ ۔ مولوی عبدالحی صاحب حنفی کا فتویٰ

"آپ نے انگریزی حکومت کو دارالاسلام قرار دیا ہے۔"

(مجموعہ فتاویٰ مطبوعہ ۱۳۱۱ھ جلد ۲ ص ۲۳۵)

۶ ۔ شمالی ہند کے علماء کرام کا فتویٰ

"شمالی ہند کے علماء ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ان کے نزدیک جہاد غیر ضروری ہے کلکتہ کے علماء نے ہندوستان کو دارالاسلام تصور کیا اور اس پر جہاد کو ناجائز قرار دیا۔"

(ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۳۱۶)

۷ ۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی

"ہند کے دارالحرب ہونے میں اختلاف علماء کا ہے بظاہر تحقیق حال بندہ کی خوب نہیں ہوئی حسب تحقیق کے سب نے فرمایا ہے اور اصل مسئلہ میں کسی کو خلاف نہیں اور بندہ کو بھی خوب تحقیق نہیں کہ کیا کیفیت ہند کی ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔"

(فتاویٰ رشیدیہ عکسی ص ۴۹۱)

۸ ۔ مولوی حسین احمد صاحب مدنی لکھتے ہیں۔

"اگر کسی ملک کا اقتدار اعلیٰ کسی غیر مسلم جماعت کے ہاتھوں میں ہو لیکن مسلمان بہر حال اس اقتدار میں شریک ہوں اور ان کے مذہبی اور دینی شعائر کا احترام

کیا جاتا ہو تو وہ ملک حضرت شاہ صاحب کے نزدیک بلاشبہ دارالاسلام ہوگا از روئے شرع مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ وہ اس ملک کو اپنا ملک سمجھ کر اس کے لئے ہر نوع کی خیر خواہی اور خیر اندیشی کا معاملہ کریں" (نقش حیات جلد ۲ ص ۱۱)

۹ ۔ جناب محمد قاسم صاحب خلف الصدق جناب شیخ محمدی صاحب لکھتے ہیں۔

"اسلام میں طرز سلطنت دو ناموں سے پکاری جاتی ہے۔ دارالاسلام اور دارالحرب۔ دارالاسلام اس حکومت کو کہتے ہیں جہاں بادشاہ خواہ مسلمان خواہ کوئی اور مذہب ہو مگر مسلمانوں کو فرائض دینی ادا کرنے کی ممانعت نہ ہو۔ ایسی جگہ مسلمانوں کو کبھی کسی جہاد کی ضرورت نہیں اور نہ آج تک کوئی ایسی نظیر موجود ہے کہ مسلمانوں نے ایسی جگہ جہاد کیا ہو۔

دارالحرب اس حکومت کو کہتے ہیں جس میں مسلمانوں کو اپنے مذہبی فرائض ادا کرنے کی بالکل روک ہو اور وہ آزادی سے اپنے دینی فرائض ادا نہ کر سکتے ہوں"

(دافع الفساد المؤلف الجہاد بجواب رسالہ جہاد لیکھرام ص ۱۴)

۱۰ ۔ مولوی ظفر علی خاں صاحب نے لکھا ہے

"ہندوستان دارالسلام اور دارالاسلام ہے جہاں دھڑلے سے مسجدوں میں اذانیں دی جاتی ہیں۔ جہاں پادریوں کے پہلو بہ پہلو اسلامی مناد اور واعظ تبلیغ دین مبین کا فرض انجام دے رہے ہیں۔ جہاں پریس ایکٹ کے موجود ہونے پر لوگوں کو تحریر و تقریر کی آزادی ہے جس نے ایک عالم کو متحیر کر رکھا ہے"

(اخبار زمیندار لاہور ۱۱ر نومبر ۱۹۱۱ء)

دیکھا ! آپ نے جب سے انگریز ہندوستان پر بحیثیت حکمران قابض

ہوئے تو بڑے سے بڑے عالم نے یہی فتویٰ دیا کہ ایسی پرامن حکومت میں ہندوستان دارالحرب نہیں رہا بلکہ وہ دارالاسلام ہے اور مسلمانوں کو ہندوستان میں جو مقبوضہ اہل مسیح ہے رہنا اور ان کی رعیت بننا درست ہے اور اس کے خلاف جنگ کرنا ناجائز ہے ۔

دنیا والوں کی تو یادداشت کبھی بھی ٹھیک نہیں ہوئی اور نہ ہی وہ سوچنے کی تکلیف گوارا کرتے ہیں ورنہ علماء کے فتووں سے تو کتابیں بھری پڑی ہیں کہ انگریز کے خلاف جنگ کرنی شرعاً ممنوع ہے اور جس ملک پر انگریز حکومت کر رہا ہے وہ دارالاسلام ہے دارالحرب نہیں ہے۔ اگر دنیا والے ذرہ بھی غور و فکر کرتے یا وہ علماء کرام کے ان فتووں کو ہی پڑھ لیتے تو ان کی اندھی تقلید ہرگز نہ کرتے ۔

باب ہفتم

حکومت برطانیہ کی فرمانبرداری کرنا شریعت اسلامیہ کی رُو سے جائز ہے یا نہیں؟

ان تین مسائل میں سے جو ۱۸۵۷ء کے بعد حل طلب اور علماء کے زیر بحث تھے ان میں سے دو مسئلوں کے بارے میں تو آپ نے پڑھ لیا کہ اب ہندوستان دارالاسلام ہے دارالحرب نہیں ہے اور برٹش کی حکومت کے خلاف جنگ کرنا ناجائز ہے تو اب صرف تیسرا مسئلہ رہ جاتا ہے کہ حکومت برطانیہ کی فرمانبرداری کرنا شریعت اسلامیہ کی رُو سے جائز ہے یا نہیں۔ تو اس مسئلہ کے متعلق علماء کرام کی از رُوئے شریعت جو آراء ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

"مسلمانوں کو غیر مذہب حکومت کا محکوم ہو کر کیونکر رہنا چاہیئے۔"

"مسلمانوں نے چار دانگ عالم میں بارہ تیرہ سو برس تک حکومت کی۔ حکومت کا آغاز عین بانی اسلام کے زمانہ میں ہوا۔ سینکڑوں غیر قومیں اس کی محکوم ہوئیں۔ ان اسباب سے یہ بدیہی ہے کہ اسلام نے غیر مذاہب والوں پر حکومت کرنے کے دستور اور آئین مفصل

منضبط کئے ہوں گے۔

لیکن اسلام کو محکوم ہو کر بہت کم رہنا پڑا اس لئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس حالت کے متعلق حدیث سے فقہ سے تاریخ سے ہم کو کوئی نہیں مل سکتی اور فقہ کا یہ حصہ بالکل اچھوتا رہ گیا۔

چونکہ یہ نہایت سخت خطرناک غلطی ہے اس لئے ہم تفصیل سے بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام میں اس کے متعلق کافی قواعد اور احکام موجود ہیں اور حدیث، فقہ، تاریخ۔ سب اس قسم کے مسائل اور واقعات سے لبریز ہیں۔ اس مسئلہ کے متعلق اصل میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کوئی غیر مذہب حکومت مسلمانوں کے ملک اور زمین پر قابض ہو جائے تو

۱ ۔ یہ قبضہ حقیقی ہوتا ہے یا غاصبانہ

۲ ۔ مسلمانوں کو حکومت کی اطاعت فرض ہوتی ہے یا نہیں

فقہ میں اس کا ایک مستقل باب ہے جس کی سرخی یہ ہے "باب استیلاء الکفار" اس کے ذیل میں یہ حکم ہیں۔ "وَان غلبوا علیٰ اموالنا واحرزوھا بدارھم ملکوھا ویجبُ علینا اتباعھم" (در مختار) اگر غیر مذاہب والے ہمارے مال پر غالب آجائیں اور اس کو اپنے گھر میں جمع کریں تو وہ اس کے مالک ہوں گے اور ہم پر ان کی اطاعت فرض ہوگی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس قسم کا واقعہ پیش آچکا تھا اور اس طرز عمل سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کو غیر مذہب کی حکومت میں کیونکر رہنا چاہیئے؟ مکہ میں جب مخالفوں نے مسلمانوں کو حد سے زیادہ ستانا شروع کیا تو

آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ لوگ ہجرت کر کے حبش (ابی سینیا) کو چلے جائیں چنانچہ بہت سے صحابہ جن میں حضرت عبدالرحمن بن عوف بھی تھے حبش میں چلے گئے۔ حبش کا بادشاہ عیسائی تھا جس کو اہل عرب نجاشی کہتے تھے، صحابہ جب حبش میں آئے تو اتفاق سے چند روز بعد کسی بادشاہ نے اس ملک پر چڑھائی کی اور نجاشی نے اس کے مقابلہ کے لئے فوجیں بھیجیں صحابہ نے خود بلا کسی تحریک کے اپنی طرف سے ایک قاصد بھیجا کہ فوج کے ساتھ جائے اور دم دم کی خبریں بھیجتا رہے تاکہ اگر ضرورت ہو تو خود ہم لوگ نجاشی کی مدد کو آئیں۔ صحابہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ پنج وقتہ نمازوں میں نجاشی کی فتح کی دعائیں مانگتے تھے۔ چنانچہ یہ واقعہ محدث طبری نے اپنی تاریخ میں پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ کوئی رعایا حکومت کے ساتھ اس سے زیادہ اور کیا وفاداری اور اطاعت شعاری کر سکتی ہے؟ کیا آج گورنمنٹ کو اس سے زیادہ کچھ درکار ہے۔

فقہ اسلام کی تاریخ میں اکثر قومیں اسلامی ملکوں پر قابض ہو گئیں۔ اس وقت ہزاروں فقہا اور علماء موجود تھے کیونکر ممکن تھا کہ وہ اس کے متعلق فقہی احکام نہ مرتب کرتے۔ تاتاریوں نے جب ایران اور عراق پر قبضہ کر لیا تو اس وقت جس قدر فقہ کی کتابیں تصنیف ہوئیں۔ سب میں اس کے متعلق تفصیلی احکام موجود ہیں اصل بحث یہ پیدا ہوئی کہ یہ ممالک دارالسلام ہوں گے یا دارالحرب، تمام فقہاء نے بہ اتفاق لکھا کہ جب تک اسلامی احکام یعنی نماز روزہ وغیرہ جاری ہیں اس وقت تک دارالسلام باقی رہے گا اور مسلمانوں کی وہی حالت ہو گی جو اسلامی ملک میں ہوتی ہے فتاوی بزازیہ میں یہ ہے۔

”واما البلادُ التِی علَیہا ولاۃ کفار فیجوز فیہا ایضًا اقامۃ الجمع

والاعياد والقاضي قاضی بتراضي المسلمين وقد تقدر ان يبقاع شيئ من العلة يبقي الحكم وقد حكمنا بلا خلاف بان هٰذِه الديار قبل استيلاء التتار و بعد استيلائهم اعلان الاذان والجمع والجماعات والحكم بمقتضي الشرع والفتوىٰ والتدريس شائع بلا نكير من ملوكهم فالحكم بانها من دار الحرب لا بجه له"

باقی وہ مقامات جن کے حاکم کافر ہیں تو وہاں بھی جمعہ اور عیدین کا ادا کرنا جائز ہوگا اور قاضی مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہوگا کیونکہ یہ طے ہو چکا ہے کہ جب تک علت باقی رہتی ہے حکم باقی رہتا ہے اور یہ متفقاً ہم لوگ طے کر چکے کہ یہ مقامات تاتاریوں کے آنے سے پہلے دارالسلام تھے اور ان کے قابض ہونے کے بعد اذان، جمعہ اور جماعت اعلان ہوتی ہے اور فیصلے شریعت کے موافق کئے جاتے ہیں اور درس و تدریس بغیر روک ٹوک کے جاری ہے تو ایسی حالت میں ان مقامات کو دارالحرب کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔

غور کرو فقہاء نے تاتاریوں کے زمانہ میں یہ فتویٰ دیا جو بُت پرست تھے اور جن کو مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کی مناسبت نہ تھی۔ آج جبکہ عیسائی حکومت ہے جو اہل کتاب ہیں مسلمانوں کے فرائض مذہبی میں کوئی تعرض نہیں کیا جاتا۔ مسلمان، خود عیسائی مذہب کا زور شور سے سرِ بازار رد کرتے ہیں تو ایسی حالت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ حکومت کی ایسی پوزیشن ہوگی جو اکبر و جہانگیر کے زمانہ میں تھی اور فقہاء کا یہ حکم واجب العمل ہوگا کہ وَيَجِبُ عَلَيْنَا اتباعهم (در مختار) اور ہم پر ان کی اعانت واجب ہوگی۔

تاریخ یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ یہ محض تھیوری یعنی زبانی باتیں تھیں کثرت سے تاریخی واقعات شہادت دے رہے ہیں کہ مسلمانوں کا ہمیشہ طرز عمل یہی رہا ہے۔ وہ جو کچھ کہتے تھے کرتے بھی تھے۔ ساتویں صدی میں جزیرہ سسلی پر عیسائی حکومت قابض ہوگئی تھی اور راجر تخت نشین حکومت تھا، اس وقت تک وہاں کثرت سے مسلمان موجود تھے ان کا طرز عمل یہ تھا کہ بادشاہ کے نہایت مطیع اور وفادار تھے۔ یہاں تک کہ بادشاہ کو جس قدر ان پر اعتماد تھا خود اپنی عیسائی رعایا پر نہ تھا۔ علامہ ابن جبیر نے اس زمانہ میں سسلی کا سفر کیا وہ ان واقعات کو لکھتا ہے کہ یہاں پر تمام بڑے بڑے عہدوں پر مسلمان مامور ہیں، یہاں تک کہ شاہی باورچی خانہ کا اہتمام بھی مزید اعتماد کی وجہ سے مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں ہے۔

تاتاری جس زمانہ میں ایران اور عراق پر قابض تھے اکثر بڑے بڑے عہدوں پر مسلمان ہی مامور تھے۔ ہلاکو خاں کی سفاکی اور اسلام دشمنی مسلّمہ عام ہے بغداد جو مسلمانوں کے جاہ و جلال کا کعبہ تھا اسی کے ہاتھوں برباد ہوا تھا تاہم اس حکومت کے دست وبازو خواجہ رشید الدین وزیر اعظم تھے اور در حقیقت کاروبار حکومت انہی کے ہاتھ سے انجام پاتے تھے۔ ہلاکو خاں کے بعد جب اس کا بیٹا قاآن خان بادشاہ ہوا تو اس کے دَور میں بھی ان دونوں بھائیوں کا وہی احترام رہا۔ علاّمہ شاکرکتبی نے فوات الوفیات میں جہاں علاءالدّین جوینی کا تذکرہ لکھا۔ لکھتے ہیں۔

" صَاحِبُ الدّیوان الخراسانی اخو الصاحب الکبیر شمس الدّین کَانَ لَھُمَا الحِلِ والعِقْدِ فِی دَولۃِ ابغا وَنا لا من الجاہ والحشمۃ مایجَاوِزُ الوصف "۔ وزارت خراسان کے مالک وزیر اعظم شمس الدّین کے بھائی تھے اور

ابغا کی سلطنت میں یہی دونوں بھائی سیاہ و سفید کے مالک تھے اور اس قدر دولت و حشمت ان لوگوں نے حاصل کی جو بیان سے باہر ہے۔

روضۃ الصفا میں جہاں خواجہ شمس الدین (وزیر ہلاکو خاں) کا تذکرہ کیا ہے لکھا ہے

"چوں اباقا خاں بر سریر سلطنت قرار گرفت خواجہ مشار الیہ (خواجہ شمس الدین) زیادہ از معہود و منظور سیور نامشی یافت و شغل خطیر وزارت بر قرار سابق باو مفوض گشت و خدمتش بہ عزمے صاحب و رائے ثابت و اقبال ساعد در اتمام مہام مملکت و تدفیہ احوال سپاہی و رعیت و اصلاح خلل و تدارک ذلل بہ نوعی شرع نمود کہ مزیدے برآں متصور نہ بود۔ ملوک و سلاطین و اکابر خراسان و عراق و بغداد و روم و ارمن را ملجا و ماوی شد۔"　　(ترجمہ از ناقل)

"جب اباقا خاں تخت سلطنت پر بیٹھ گیا خواجہ صاحب موصوف (خواجہ شمس الدین) کو پہلے سے زیادہ عزت اور انعام و اکرام حاصل ہوا اور وزارت کا پرانا اہم عہدہ انہیں بدستور سپرد کیا گیا اور اس نے مملکت کے اہم کام اور رعیت و فوج کے احوال کی بہبود اور خرابیوں کی اصلاح اور بدی کے تدارک میں اپنا فریضہ مضبوط ارادے پختہ رائے اور اقبال مندی سے انجام دیا کہ اس سے خوبتر کا تصور ممکن نہیں اور وہ خراسان، عراق، بغداد، روم اور ارمن کے ملوک و سلاطین و اکابر کے لئے پناہ گاہ بن گیا۔"

یہ اعتماد، یہ رتبہ ان لوگوں نے اسی وجہ سے حاصل کیا تھا کہ جس وفاداری، دیانت اور لیاقت سے یہ لوگ بادشاہی خدمت بجالاتے تھے۔ ہلاکو خاں کے ہم قوم عزیز بجا نہیں لاسکتے تھے۔

محقق طوسی جن کی شہرت محتاج بیان نہیں وہ بھی ہلاکو خان کے معتمد خاص تھے اور اوقاف اسلامی کُل انہیں کے زیر اہتمام تھے فوات الوفیات میں لکھا ہے

"کَانَ ذَاحُرمَۃ وافرۃ ونزلۃ عالیۃ عند ھلا کُو وکان بطیعہٗ فیما یشیر بہٖ علیہ والاموال فی تصریفہٖ" ہلاکُو کے دربار میں ان کی بڑی عزت اور نہایت قدر تھی ہلاکو خاں ان کے مشوروں پر عمل کرتا تھا اور مال اس کے تصرّف میں تھا"

گو ہم پسند نہیں کرتے لیکن محقق طوسی نے ہلاکو خاں کی وفاداری میں اسلام تک کو برباد کر دیا یعنی بغداد کا حملہ اور اس کی بربادی صرف محقق طوسی کے اشارہ سے تھی ورنہ ہلاکو خاں اس پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ قاضی نوراللہ شوستری نے مجالس المومنین میں اس واقعہ کو محقق طوسی نے مفاخر میں شمار کیا ہے۔

واقعات مندرجہ بالا سے تم کو معلوم ہوا ہو گا کہ رسولؐ کے عہد زریں سے لیکر آج تک مسلمانوں کا ہمیشہ یہ شعار رہا کہ وہ جس حکومت کے زیر اثر رہتے اس کے وفادار اور اطاعت گذار رہتے یہ صرف ان کا طرز عمل نہ تھا بلکہ ان کے مذہب کی تعلیم تھی جو قرآن مجید، حدیث، فقہ سب میں کنایتہً اور صراحتہً مذکور ہے۔

ماقصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم　　　از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

(رسالہ ندوہ اگست ۱۹۰۸ء جلد ۵ - ۷ ص ۲۷ تا ۳۲ و مقالات شبلی جلد اول ص ۱۷۱)

۲ ۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے شاہ برطانیہ کی تاجپوشی کے موقعہ پر کہا

ہوئی لندن میں از فضل الٰہی　　　نہایت شان سے جب تاجپوشی

کہا آزاد نے بڑھ کر ادب سے　　　مبارک شاہ کو اب تاج پوشی

(ارمغان آزاد ص ۷۵ از ابو سلمان شاہجہان پوری بحوالہ الثورۃ الہندیہ یعنی باغی ہندوستان ص۴۵)

اس موقعہ پر مولانا آزاد مرحوم نے ایک طویل قصیدہ دعائیہ بھی لکھا تھا جو ارمغان آزاد میں درج شدہ ہے۔

۳۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب نے ساری زندگی انگریز کی تعریف میں گذاری

(ا) زمیندار اخبار کے سرورق پر کافی عرصہ تک یہ شعر لکھا جاتا رہا

تم خیر خواہِ دولت برطانیہ رہو
سمجھیں جناب قیصرِ ہند اپنا جاں نثار

(ب) سنا ہے نام جمشید و سکندر کا فسانوں میں
مگر رکھا ہی کیا ہے ان پرانی داستانوں میں

چمکتا چاند ہے جس طرح جھرمٹ کے ستاروں میں
یونہی ہم کو نظر آتے ہو تم صاحبقرانوں میں

کہاں رُوما کی صَولت اور کہاں برطانوی دولت
اسے دیکھا ہے آنکھوں سے جو وہ گونجے ہیں کانوں میں

ہے شیریں نام ایسا بادشاہ جارج خامس کا
عذوبت ہے زبانوں میں حلاوت ہے بیانوں میں

ودیعت ہے شہنشہ کی عقیدت آفرین الفت
سروں میں اور سینوں میں دلوں میں اور جانوں میں

نہ بھولیں گے کبھی وہ روز ہم ہندوستاں والے
کہ تم تھے میہمانوں میں تو ہم تھے میزبانوں میں

دلوں میں جو کچھ آئے ترجماں اس کی زبانیں ہوں
کہاں حاصل تھیں یہ آزادیاں اگلے زمانوں میں

یہ سچ ہے ہم مسلمانوں کو یہ نعمت میسر تھی
شمار اس کا ہے لیکن قرنِ اوّل کے نشانوں میں

رہے آزاد وہ صیاد یا رب جس نے دیدی ہے
چہکنے کی اجازت بلبلوں کو گلستانوں میں

نظر آئی تری ظلِ الٰہی کی شان دونوں کو
برہمن کو صنم خانہ میں مسلم کو اذانوں میں

سلامت قیصرہ کو اور قیصر کو خدا رکھے
یہی اک نغمہ جاں پرور ہے سب قومی ترانوں میں

رہیں ثابت قدم ہم اپنے قیصر کی اطاعت پر
کہ جس سے سرخرو ہم ہو سکیں دونوں جہانوں میں

ہمارے واسطے کم کیا یہی انعام عزت ہے
کہ داخل ہو گئے قیصر کے ہم بھی مدح خوانوں میں

(رسالہ تعلیم و تربیت لاہور ۱۹۱۷ء بحوالہ ظفر علی خاں کی حقیقت از شیخ ضیاء الحق سابق ایڈیٹر پیشوا۔)

(ج) مولانا صاحب نے اپنے اخبار "ستارہ صبح" کے سب سے پہلے جو مقاصد لکھے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۳) "اس کا اولین مقصد یہ ہوگا کہ رعایا کے دلوں میں راعی کی طرف سے محبت و عقیدت کے جذبات برانگیختہ کر کے دونوں کے تعلقات کو خوشگوار اور استوار بنائے اور اس عقیدہ کی تلقین کرے کہ ہندوستان میں سلطنت برطانیہ کی بقا اہل ملک کے بہترین مفاد کی ضامن ہے۔"

(۴) "سیاست کے دل خوش کن مگر دُور از کار مباحث سے اس روزنامہ کو تعلق نہ ہوگا۔"

(د) "سر امین خاں نے مولانا شوکت علی کی ضبط شدہ پنشن بحال کرانے کے بعد مولانا ظفر علی خاں کا وظیفہ جو انھیں نظام حیدر آباد سے ملتا تھا اور ۱۹۱۶ء سے بند تھا کھلوا دیا اس قصہ یوں بیان کرتے ہیں۔

"مولانا ظفر علی خاں نے مجھ سے کہا کہ آپ نے مولانا شوکت علی کی پنشن کھلوا دی۔ ہمارا وظیفہ جو نظام کے یہاں سے ملتا تھا اور ۱۹۱۶ء سے بند کرا دیا گیا۔ اگر وہ آپ کھلوا دیں تو بڑی بات ہوگی۔ میں نے سر سکندر، نواب چھتاری، فضل الحق اور سب کی معرفت کوشش کر لی لیکن کامیابی نہیں ہوئی اگر آپ کرا دیں تب جانیں میں نے کہا کہ اتنے دنوں سے کیوں نہیں کہا تھا۔ دوسرے ہی دن میں نے پولیٹکل سیکریٹری سے ۔ ۔ ۔ ۔ کہا کہ مولانا ظفر علی ایک جوشیلے آدمی ہیں انھوں نے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ترکوں کی وجہ سے برٹش گورنمنٹ پر نکتہ چینی کرنی شروع کر دی تھی اس لئے نظام نے گورنمنٹ

کے ایما پر وظیفہ جو دو سَو روپے ماہوار دیتے تھے وہ بند کر دیا تھا لیکن اب صورت دوسری ہے۔ آج کل وہ کانگریس کے خلاف ہیں اور ہٹلر کے بھی خلاف۔ لہذا ان سے فائدہ اٹھایا جائے آپ نظام سے ان کا وظیفہ کھلوا دیجئے انھوں نے کہا کہ ہم ریاست کے معاملے میں دخل نہیں دے سکتے پولیٹکل سیکریٹری نے کچھ حیل و حجت کی لیکن مقبول سریا مین . . . . . میں نے اس کو تیار کر لیا اور کہا مولانا اپنے اخبار کے ذریعہ کانگرس کی کوششوں کو ناکارہ بنا دیں گے انھوں نے کہا مجھ سے ملوا دیں پرسوں اسی وقت لاؤں گا میں نے کہا۔ سریا مین نے مولینا کو پولیٹکل سیکریٹری سے ملوایا اور دَوران گفتگو میں انہیں جوش میں آ کر کوئی خلاف مصلحت بات کرنے سے روکے رکھا بعد میں سریا مین نے مولانا کو مبارکباد دی اور انھوں نے سریا مین کو مبارکباد دی"

(تحریک پاکستان کا ایک باب ص۔ ۸ تالیف محمد سردر۔ سندھ ساگر اکادمی لاہور)

۴۔ علامہ سر محمدؒ اقبال مرحوم لکھتے ہیں

ہمائے اوج سعادت ہو آشکارا اپنا — کہ تاج پوش ہوا آج تاجدار اپنا
اسی کے دم سے ہے عزت ہماری قوموں کی — اسی کے نام سے قائم ہے اعتبار اپنا
اسی سے عہد وفا ہندوؤں نے باندھا ہے — اسی کے خاک قدم پر ہے دل نثار اپنا
اخلاص بے غرض ہے صداقت بھی بے غرض — خدمت بھی بے غرض ہے اطاعت بھی بے غرض
عہد وفا و مہر و محبت بھی بے غرض — تخت شہنشہی سے عقیدت بھی بے غرض
جبتک چمن کی جلوۂ گل پر اساس ہے — جبتک فروغ لالۂ احمر لباس ہے
جبتک نسیم صبح عنادل کو راس ہے — جبتک کلی کو قطرۂ شبنم کی پیاس ہے
قائم رہے حکومت آئین اسی طرح — دبتا رہے چکور سے شاہین اسی طرح۔

اے تاجدار خطۂ جنت نشان ہند — روشن تجلیوں سے تری خاوران ہند
محکم ترے قلم سے نظام جہان ہند — تیغ جگر شگاف تری پاسبان ہند
ہنگامۂ وغا میں میرا سر قبول ہو — اہل وفا کی نظر محقر قبول ہو

علامہ مرحوم کے اسی طرح اور بھی بہت سے اشعار ہیں جن میں انھوں نے حکومت برطانیہ کی مدح سرائی کی ہے جسے آپ زندگی کے آخری ایام میں محسوس کرتے تھے جیسا کہ جناب سید نذیر نیازی صاحب نے لکھا ہے۔

پھر ارشاد ہوا "غلامی بہت بڑی لعنت ہے۔ غلامی زبان سے وہ کچھ بھی کہلوا دیتی ہے جو انسان نہیں کہنا چاہتا دانستہ اور نا دانستہ بھی" حضرت علامہ کو شاید افسوس تھا کہ خود ان کی زبان سے بھی تو ایسے اشعار نکل چکے ہیں جن میں سرکار انگلشیہ کی مدح سرائی کی گئی ہے۔ یہ مجبوری تھی یا معذوری، جو کچھ بھی تھا ہونا نہیں چاہیئے تھا حضرت علامہ شاید اسی خیال سے خاموش ہو گئے"

(اقبال کے حضور نشستیں اور گفتگوئیں جلد اول ص ۲۷۸)

۵۔ مولانا حالی مرحوم انگریز کے امن کی تعریف کرتے ہیں کہ

حکومت نے آزادیاں تم کو دی ہیں — ترقی کی راہیں سراسر کھلی ہیں
صدائیں یہ ہر سمت سے آ رہی ہیں — کہ راجہ سے پرجا تلک سب سکھی ہیں
تسلط ہے ملکوں میں امن و اماں کا — نہیں بند رستہ کسی کارواں کا
نمازیں خوشی سے پڑھو معبدوں میں — اذانیں دھڑلے سے دو مسجدوں میں

(مسدس حالی)

۶۔ اس کے بعد غلام رسول مہر نے ایک اور اہل حدیث رہنما ثناء اللہ امرتسری

کا ذکر کیا ہے کہ انھوں نے ۱۹۲۲ء میں لاہور میں ہونے والی اہلحدیث کانفرنس میں سیکریٹری کی حیثیت سے اغراض و مقاصد کی پہلی شق پیش کی تھی "حکومت برطانیہ سے وفاداری"
(امتیاز حق از راجا غلام محمد ص ۸۵ مکتبہ قادریہ لاہور)

غرض اس عنوان کے ماتحت قائدین ملت، رہنمایانِ قوم اور علماء کرام کی مزید آرا اور تحریرات بھی ہدیۂ قارئین کی جاسکتی ہیں مگر بخوف طوالت انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے

ہندوستان کے کئی قابل احترام بزرگان دین نے ان مندرجہ بالا مسائل کا حل اس زمانہ کے حالات کے پیش نظر اس ملک میں رہنے والے مسلمانوں کے سامنے رکھا۔ جسے ہر عقلمند اور ذی ہوش انسان سمجھ سکتا ہے کہ جب مسلمانوں کی عظیم مُغل سلطنت نے انگریزوں کو نہ صرف اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی بلکہ انہیں تجارت کرنے اور فوجی تیاری کے زیادہ سے زیادہ مواقع بہم پہنچائے اور بیش از بیش مراعات سے نوازا تو اگر انگریزوں نے علماء کرام، صوفیاء عظام اور ہمدردان اسلام کی موجودگی میں ان کی موجودہ زمانہ کے سائنسی اور مادی علوم سے ناواقفی اور باہمی چپقلش سے فائدہ اٹھاکر اپنی ہوشمندی، سیاسی قابلیت اور مادی طاقت سے اس ملک پر قبضہ کر لیا اور ہندوستان کا کوئی غیرت مند مسلمان اور دنیا کی بڑی سے بڑی اسلامی حکومت انہیں اس ملک پر قبضہ کرنے سے نہ روک سکی تو آج جبکہ انگریز اس ملک کو چھوڑ کر جاچکا ہے۔ علماء کرام اور بزرگان دین کا ممبروں پر ایک دوسرے پر یہ الزام لگانا کہ فلاں جماعت نے انگریز کی تعریف اور فلاں نے انگریز کی مدد کی۔ ان حالات میں عوام کے جذبات سے کھیلنے اور اصل مقصد سے انہیں دور رکھنے کے سوا اس کا اور کیا مقصد ہوسکتا ہے۔

علماء کرام اور سیاستدانوں کا اب تو یہ فرض تھا کہ جب ملک انگریز کی غلامی سے آزاد ہو چکا ہے ان فرسودہ مسائل کو کہ کس نے انگریز کی تعریف کی یا کس نے پاکستان بننے کی مخالفت کی خیرباد کہہ کر ملک و ملت کی فلاح و بہبود کی اور مسلمانوں کا قدم ترقی کے راستہ پر گامزن کرنے کی طرف دھیان دیتے اور پیش آمدہ مذہبی، ملکی، سیاسی، تمدنی اور معاشی مسائل کا پیار و محبت سے کوئی حل سوچتے تو اس ملک کا فائدہ ہوتا۔

مستقبل میں اگر کوئی مؤرخ موجودہ علماء کرام اور پیشوایان قوم کے شاندار کارناموں کے لکھنے کے لئے قلم اٹھائے گا تو ان کی تحریرات اور تقاریر میں خدا تعالیٰ سے لاتعلقی، مذہب سے بیگانگی، روحانیت سے لاپرواہی، شرعی علوم سے اور عقل سے دوری، دُنیاوی محبت میں سرتاپا غرق، باہمی جھگڑوں میں مصروف اور اپنی نفسانی اغراض کے لئے کلمہ گوؤں کی تکفیر کے علاوہ اس کے لکھنے کے لئے اور کچھ نہ ہوگا۔ جس سے شرمندگی اور ندامت سے اس کا سر دنیا کے سامنے جھک جائے گا کیونکہ سب سے زیادہ سچی شہادت وقت کی ہی ہے اس سے نہ کوئی انسان بچ سکتا ہے نہ کوئی قوم۔

وقت کا فرمان اپنا رُخ بدل سکتا نہیں
موت ٹل سکتی ہے یہ فرمان ٹل سکتا نہیں

کچھ دیوبندی حضرات کے متعلق

اگر بریلوی حضرات میں سے کسی نے دیوبندی مکتب فکر مخالفت کرتے ہوئے ان کی کسی کتاب سے ایسے فقرات نقل کر دیئے جن سے انگریزی حکومت کی مخالفت ثابت نہیں ہوتی جیسے کسی بریلوی نے لکھا ہے

دیوبند کا "یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممدو معاون سرکار ہے" وغیرہ (زلزلہ ص ۴۱) تو دیوبندی علماء کا قلم جنبش میں آگیا اور جواب بنانے کی کوشش کرتے ہوئے لکھا کہ

" ارباب جہاد و پیکار کی تاریخ میں ایسے نازک وقت بھی آتے ہیں کہ دشمن کو دھوکہ دینے کے لئے اپنے اصل کردار کو چھپانا پڑتا ہے اور صاف گفتاری کے بجائے مصلحت کی زبان اور قلم سے کام لینے کا تلخ گھونٹ پینا پڑتا ہے۔" (بریلوی فتنہ کا نیا روپ ص ۱۷۷)

خیر! یہ تو ان کی آپس میں نوک جھونک کی باتیں ہیں لیکن ہم ان بانیان دیوبند کے متعلق جنھوں نے ۱۸۵۷ء کے غدر میں حصہ لیا تھا بغیر کسی تنقید کے بلا تبصرہ لکھ دیتے ہیں اور انصاف قارئین کرام پر چھوڑتے ہیں کہ ان واقعات کو پڑھ کر ان کا ذہن جو فیصلہ کرے کہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد جب ہندوستان میں وہ لوگ جنھوں نے ان علماء کرام کے فتوؤں کے مطابق انگریز کی مخالفت کی تھی اس کی سزا میں پھانسیوں پر

لٹکائے جا رہے تھے انھیں اس حالت میں چھوڑ کر اس ملک سے ہجرت کر جانا کہاں تک شرعاً جائز تھا۔

بلا تبصرہ

۱۔ (ل) "حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کو جب ۱۸۵۹ء میں باغی قرار دیا گیا۔ تو وہ ہندوستان سے بقصد مکہ معظمہ چھپ کر بھاگے جا رہے تھے اور راستہ میں مختلف مقامات پر جہاں پہلے سے تعلقات تھے ٹھہرتے جاتے تھے کہ راستہ میں مختلف عبرتناک واقعات پیش آئے چنانچہ ایک دن راؤ عبد اللہ خاں جو سرکار انگریزی کے نزدیک باوجاہت تھے اور پنج لاسہ کے رئیس تھے اس کے اصطبل خانہ کی اندھیری کوٹھری میں حاجی صاحب مقیم تھے کہ اشراق کی نماز کے ارادہ سے مصلیٰ بچھایا اور حاضرین سے کہا کہ آپ جائیں میں نفل پڑھ لوں اور کوٹھری کا دروازہ بند کر لیا راؤ عبد اللہ خاں صاحب جب باہر نکلے تو اچانک پولیس آ گئی پہلے تو پولیس والوں نے اِدھر اُدھر کی باتیں کیں اور پھر کہا کہ ہم نے آپ کے گھوڑے کی بہت تعریف سنی ہے اس لئے اطلاع دیئے بغیر آ گئے ہیں۔ پولیس افسر نے پہلے گھوڑوں کی دیکھ بھال شروع کی پھر اس کوٹھری کی طرف چلنے لگا جس کا مخبر نے پتہ دیا تھا۔ اور یہ کہہ کر کہ "اس کوٹھری میں کیا گھاس بھری جاتی ہے" اس کے دروازے کھول دیئے اندر جا کر دیکھا کہ تخت پر مصلیٰ بچھا ہوا اور لوٹا رکھا ہوا ہے مگر آدمی کوئی نہیں۔ پولیس افسر حیران ہو کر کبھی اِدھر دیکھتا اور کبھی اُدھر پھر پوچھنے لگا کہ خاں صاحب یہ لوٹا کیسا اور مصلیٰ کیوں پڑا ہے۔ راؤ صاحب بولے جناب اس جگہ ہم مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور وضو میں ہاتھ منہ دھوتے ہیں۔ پولیس افسر نے ہنس کر کہا کہ آپ لوگوں کی نماز کے لئے تو مسجد ہے یا اصطبل کی کوٹھری راؤ صاحب نے فوراً جواب دیا کہ جناب۔

مسجد فرض نماز کے لئے ہے اور نفل نماز ایسی ہی جگہ پڑھی جاتی ہے جہاں کسی کو پتہ نہ چلے۔ یہ جواب سن کر پولیس افسر نے گھوڑے پر سوار ہو کر جاتے ہوئے کہا کہ آپ کو تکلیف دی ہے افسر کو رخصت کر کے جب راؤ صاحب واپس اس کوٹھری میں آئے تو دیکھا کہ حضرت حاجی صاحب سلام پھیر چکے ہیں اور مصلّے پر مطمئن بیٹھے ہیں"

(امداد المشتاق ص ۲۹، ۳۰ و تذکرۃ الرشید ص ۶۷ و نقش حیات ص ۶۵، ۶۶)

(ب) "اسی طرح ان کا ایک دوسرا واقعہ ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ضلع سہارنپور میں ایک رئیس کے ہاں چھپے ہوئے تھے جو کہ آپ کا مرید تھا۔ کسی مخبر نے افسر اعلیٰ کو خبر کر دی۔ اس نے سپرنٹنڈنٹ پولیس کو حکم دیا کہ فوراً چند سواروں کو لے کر فلاں جگہ پہنچو۔ چونکہ اس علاقہ کا تھانیدار بھی حاجی کا عقیدت مند تھا اس لئے تھانیدار کو بتائے بغیر اسے تلاشی کے لئے ساتھ لیا۔ جب گاؤں میں پہنچے تو تھانیدار سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو فلاں شخص کے مکان پر جانا ہے۔ اس کی آواز بلند تھی گاؤں میں داخل ہوتے ہی تھانیدار نے اونچی آواز سے اس رئیس کو گالیاں دینی شروع کیں اور کہا کہ تو سرکار کا نمک حرام اور باغی ہے ہم تجھے ٹھیک کر دیں گے تو باغیوں کو پناہ دیتا ہے۔ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی آواز پہنچ گئی تھی۔ فوراً اس رئیس نے حاجی صاحب کو رضائی اوڑھا کر مردانہ مکان میں لٹا دیا اور افسر کو زنانہ مکان کے متعلق شبہ تھا اس نے کہا کہ میں تمہارے مکان کی تلاشی لینا چاہتا ہوں مالک مکان نے کہا کہ حضور چلئے یہاں اندر مشتبہ کوئی شخص نہیں ہے اسے اندر لے گیا اور جاتے ہوئے اپنے لوگوں سے بلند بآواز بلند کہا کہ اس بڈھے بیمار کو چارپائی سمیت کہیں کھیت میں ڈال آؤ۔ اس نے کھانس کھانس کر اور کھنکار نکال نکال کر

تمام مکان گندہ کردیا ہے۔ وہ افسر مکان میں داخل ہوا اور گاؤں والے جنازہ کی طرح چارپائی اٹھا کر گاؤں کے باہر کھیت میں ڈال آئے پولیس نے سمجھا کہ واقعی یہ کوئی قریب المرگ بیمار ہے تعرض نہ کیا۔ حضرت حاجی صاحب وہاں جاکر کہیں باہر چھپ گئے اور پولیس ناکام ہوکر واپس چلی گئی۔" (نقش حیات جلد دوم ص ۴۶۷)

۲ ۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دیوبند کے خلاف بھی غدر میں شامل ہونے کی وجہ سے وارنٹ گرفتاری کے نکلے ہوئے تھے اور مولانا محمد قاسم صاحب کبھی کہیں اور کبھی کہیں چھپتے پھرتے تھے اور اکثر چھپ کر دیوبند کی مسجد چھتہ میں ہی رہا کرتے تھے اتفاقاً ایک مرتبہ مسجد میں ہی تھے کہ پولیس آگئی۔ آپ پہلی جگہ سے جہاں کھڑے تھے کچھ ادھر ہٹ گئے۔ افسر مسجد میں داخل ہوا اور پوچھا کہ مولوی قاسم کہاں ہیں؟ آپ نے پہلی جگہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ابھی تو یہاں تھے دیکھ لو کہیں مسجد میں ہی ہوں گے وہ ڈھونڈنے دوسری طرف گیا آپ مسجد کے دوسرے دروازہ سے نکل کر جنگل کی طرف بھاگ گئے اور پولیس انہیں گرفتار نہ کرسکی ۔

(نقش حیات جلد دوم ص ۴۶۸)

۳ ۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی بھی غدر میں شمولیت کی وجہ سے گرفتار ہوگئے۔ آپ پر علاوہ شرکت جہاد شاملی یہ بھی الزام تھا کہ سپاہیوں کی رائفل ان کے پاس ہے۔ آپ نے دونوں سے بالفاظ توریہ انکار کیا حاکم نے پوچھا کہ تم نے گورنمنٹ کے خلاف ہتھیار اٹھایا آپ نے فوراً جیب سے تسبیح نکالی اور کہا کہ یہ میرا ہتھیار ہے اس نے کہا کہ وہ بندوق کہاں ہے آپ نے کہا کہ مجھ کو بندوق سے کیا سروکار، غرض کہ اس کے تمام الفاظ کا جواب اسی طرح دیتے رہے جب اس افسر کی مقصد برآری

نہیں ہوئی تو اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ننگی تلوار بن لے کر اس کے سر پر کھڑے ہو جاؤ۔ آپ کے ماموں مولوی محمد شفیع صاحب گنگوہی جو کہ پنجاب میں عرصہ دراز تک گورنمنٹ میں ملازم رہ چکے تھے انگریز کی ہتکڑیاں، سختیاں اور دھمکیاں دیکھ کر پہلے ہی سراسیمہ ہو رہے تھے اس حکم کو سنکر سخت پریشان ہو گئے آپ کو علیحدہ لے جاکر کہنے لگے بیٹا! بتلادے کہ وہ بندوق کہاں ہے۔ بندوق کے مل جانے پر حاکم تجھے چھوڑ دے گا وہ بندوق اب کیا کام آئے گی۔ مولوی رشید احمد صاحب نے کہا کہ ماموں جان گھبرائیے نہیں ایک تلوار نہیں سیکڑوں تلواروں کا پہرا بھی قائم کر دیا جائے تو کیا خوف ہے۔ بندوق بتانا تو الزام کو سر پر لینا ہے یہ جواب سن کر ماموں جان بھی خاموش ہو گئے اور ثبوت نہ ملنے پر ایک ماہ کے بعد انہیں چھوڑ دیا گیا۔" (نقش حیات جلد دوم ص ۴۶۹)

۴۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے کہا

"کہ انگریزوں کی دوستی فتنہ باطنہ ہے اور ان کی دشمنی (بحالت موجودہ کہ مسلمانوں کی طاقت نہیں) فتنہ ظاہرہ ہے۔ اور ہم دونوں سے پناہ مانگتے ہیں۔" (مجالس حکیم الامت ص ۱۲۹)

(ب) "چونکہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اجتہادی طور پر اس تحریک کے مخالف تھے اس لئے بعض حضرات کو خیال ہوا تھا کہ حضرت تھانوی نے حضرت شیخ الہند کی گرفتاری میں حکومت کی اعانت کی ہو گی، حضرت شیخ الاسلام (مولانا مدنی) نے اپنے مکتوب میں اس کی تردید فرمائی ہے۔

یہ بالکل غلط ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے حضرت شیخ الہند

قدس اللہ سرہ العزیز کو مالٹا میں قید کرایا تھا۔ وہ حضرت شیخ الہند کے شاگرد اور محبّین میں سے تھے۔ البتہ تحریک آزادئ ہند میں ان کی رائے خلاف تھی۔ نہ انھوں نے کوئی مخبری کی اور نہ ان کو انگریزوں سے اس قسم کے تعلقات رکھنے کی کبھی نوبت آئی۔ ہاں مولانا مرحوم کے بھائی محکمہ سی آئی ڈی میں بڑے عہدے دار آخر وقت تک رہے انھوں نے جو کچھ کیا ہو مستبعد نہیں (مکتوب ۱۱۹ جلد ثانی ص ۲۹۹)

"چونکہ فضا خراب تھی اور حضرت مولانا تھانوی ان معاملات میں قلبی اعتبار سے کمزور تھے پھر اجتہاداً ان کی سمجھ میں حضرت شیخ الہند کی یہ تحریک نہیں آئی تھی۔ اس لئے الگ الگ رہتے تھے اور کچھ ان کو ان کے بھائی اور مریدین نے بھی ڈرا دیا ہوگا چنانچہ حضرت مولانا فخر الدین صاحب موجودہ شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند فرماتے ہیں

"جب حضرت شیخ الہندؒ ہندوستان واپس تشریف لائے تو حضرت تھانوی بھی ملنے آئے تھے لیکن بالکل کھڑے کھڑے آئے اور گئے" (تذکرہ شیخ الہند)

(افادات و ملفوظات مولینا عبید اللہ سندھی ص ۳۸۲)

(ج) "مولانا اشرف علی تھانوی نے تو ایک ممتاز عالم دین اور ایک مشہور و معروف صاحب طریقت بزرگ اور روحانی پیشوا ہونے کی حیثیت سے اس اجنبی حکومت سے آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد کو بُرا اور اس کی حمایت و وفاداری کو اچھا قرار دیا اور اس طرح ان حلقوں میں انگریز سے وفاداری نیکی و روحانیت کا ایک لازمہ بنادی گئی اور عجیب بات یہ ہے کہ مولانا تھانوی کا تعلق شیخ الہند اور ان سے اوپر حاجی امداد اللہ سے تھا اور وہ اسی ولی اللّٰہی سلسلے کے فرد و مرید تھے۔" (افادات و ملفوظات مولانا عبید اللہ سندھی ص ۲۸۹ مرتبہ محمد سرور صاحب)

۵ ۔ دارالعلوم دیوبند اور علی گڑھ ہر دو میں انگریز دشمنی کے باغیانہ جذبات ابھر رہے تھے لیکن اتفاق سے دونوں درسگاہوں کے ارباب اہتمام اور اصحاب اختیار سرکار پرست تھے۔ اب یہ کتنا بڑا المیہ تھا کہ مولانا محمد قاسم جو انگریزوں کے خلاف ۱۸۵۷ء میں لڑے ان کے صاحبزادے حافظ محمد احمد جو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے شمس العلماء کا خطاب قبول کرتے ہیں اور انگریزی حکومت کی طرف سے ان کے لئے ڈھائی سو روپیہ ماہانہ بطور وظیفہ مقرر ہوتا ہے اسی سلسلے میں گورنر یو۔پی دارالعلوم میں گیا۔" (افادات وملفوظات مولانا عبید اللہ سندھی ص ۳۷۸)

۶ ۔ واقعہ یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے ارباب اہتمام (حافظ محمد احمد اور مولانا حبیب الرحمٰن) کے سامنے دارالعلوم کا بقاء تحفظ سب سے بڑا مسئلہ تھا ۱۸۵۷ء کے واقعات اور اس کے بعد انگریزی پالیسی ان کے سامنے تھی انھوں نے مولانا عبید اللہ سندھی کی سرگرمیوں کو نہ صرف دارالعلوم دیوبند بلکہ عام مسلمانوں کے لئے بھی خطرناک تصور کیا اور ...... مولانا سندھی کو دارالعلوم سے علیحدہ کردیا گیا۔" (نقش حیات جلد دوم ص ۱۴۴)

۷ ۔ میرا (یعنی مولانا سندھی کا) حافظ سید احمد اور مولانا حبیب الرحمٰن جیسے لوگوں سے سابقہ ہے۔ یہ دونوں حضرات اسلام اور مدرسہ کے نام سے اپنی مقصد برآری میں کوشاں رہتے تھے وہ حضرت شیخ الہند کے عقیدت مند ہونے کے باوجود ان کے کاموں کو بگاڑ رہے تھے۔ مولانا حبیب الرحمٰن بڑے زیرک اور ذہین آدمی تھے لیکن ان کی تمام تگ ودو کا مقصد یہ تھا کہ انھیں حکومت کے حلقوں میں بار ملے اور وہ کوئی اعلیٰ منصب حاصل کرسکیں۔ ان لوگوں نے حضرت شیخ الہند کی

تحریک کو ناکام کرنے میں جو جو حرکات کیں مستقبل کا مؤرخ انہیں کبھی معاف نہیں کریگا انگریز پرستی کو انہیں کے ذریعہ دارالعلوم میں بار ملا۔"

(افادات و ملفوظات مولینا عبیداللہ سندھی ص ۳۶۴)

۸۔ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم نے فرمایا

"مولوی کا ذہن پچھلے سو سال سے عقیم چلا آتا ہے دیوبند ہی کو دیکھئے۔ دیوبند بھی انگریزی شہنشاہیت کی غیرارادی تخلیق ہے۔"

(اقبال کے حضور نشستیں اور گفتگوئیں ص ۲۸۲)

کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے ——— فقیہہ و صوفی و مُلا کی کہنہ ادراکی

(اقبال کے حضور ص ۲۸۳)

جس طرح آپ گذشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں کہ دیوبند کے ان بزرگوں میں سے کچھ تو وہ تھے جنھوں نے ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان سے ہجرت میں ہی اپنی فلاح سمجھی اور کچھ ایسے بھی تھے جنھوں نے توریہ کرکے اپنے آپ کو بچایا اور بعض ایسے بھی تھے جنھوں نے بین بین کی پالیسی اختیار کی۔

اور انہی بزرگوں میں سے بعض لوگوں نے دیوبند کی ایک قدیم مسجد "مسجد چھتہ" میں ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء میں ایک مدرسہ قائم کیا جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے نام سے مشہور ہوا اس مدرسہ میں سے کچھ لوگ انگریز کے بہت ہی مخالف تھے۔ اور جو تشدد کے حامی تھے اور انگریز کو ہندوستان سے اپنی طاقت اور تشدد کے بل بوتے پر نکالنا چاہتے تھے۔ اس مخالفت میں انھوں نے بڑی بڑی قربانیاں دیں۔ اور مالٹا میں قید و بند کی مصیبتیں جھیلیں اور اپنے طالب علموں کو دوسرے ممالک

میں خفیہ طور پر بھیجا تاکہ وہ ان بیرونی حکومتوں سے گٹھ جوڑ کر کے اپنے ملک کو انگریزوں سے آزاد کرا سکیں۔ لیکن ان کی اس طرح کی تمام کوششیں ناکام ہوئیں۔ اپنی اس ناکامی کی وجہ سے انہیں اپنی اس تشدد کی پالیسی کو چھوڑ کر آخر کار عدم تشدد کا اعلان کرنا پڑا جیسا کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب شیخ الہند قید کی مشکلات سے رہائی کے بعد بمبئی پہنچے تو

(۱) "بمبئی میں اترتے ہی مولانا شوکت علی مرحوم اور خلافت کمیٹی کے ممبروں وغیرہ سے ملاقات ہوئی مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی لکھنؤ سے اور مہاتما گاندھی احمد آباد سے حضرت شیخ الہند کے استقبال کے لئے تشریف لائے نیز دوسرے لیڈروں سے خلوت اور جلوت میں باتیں ہوئی تو آپ نے بھی عدم تشدّد (نان وائلنس) کا پروگرام ہندوستان کے آزاد کرانے کے لئے ضروری قرار دیا اور پھر اسی طریقہ پر خلافت کمیٹی اور کانگرس کی تجویز کردہ باتوں کی موافقت کی۔" (نقش حیات جلد دوم ص ۶۶۷)

(۲) دیوبند کے دوسرے بزرگ مولانا عبیداللہ صاحب سندھی کا اعلان

"میں نے اپنے پروگرام میں عدم تشدد کو ضروری قرار دیا ہے اس میں میں مہاتما گاندھی کا ممنون ہوں میں عدم تشدد کو اخلاقی اصول مانتا تھا لیکن اس بنا پر پولیٹیکل پروگرام کی تشکیل اور اس کی اہمیت میں نے گاندھی جی سے سیکھی ہے گاندھی جی نے مجھے حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم یاد دلادی میں جانتا ہوں کہ اسلام کے پہلے دَور میں اسی اصول سیاسی پر عمل ہوتا رہا۔"

(نقش حیات جلد دوم ص ۵۶۵)

(۳) دیوبند کے تیسرے بزرگ مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی لکھتے ہیں

"میں اگرچہ پہلے کانگریس میں شامل نہ تھا مگر مالٹا سے واپسی پر کانگریس کا ممبر باقاعدہ بن گیا۔" (نقش حیات جلد دوم ص ۲۹۲)

انڈین نیشنل کانگریس کے قیام کی جو غرض تھی اسے کون نہیں جانتا کیا خود مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے نہیں لکھا تھا کہ "کانگریس کے اولین مقاصد میں ملک کو آزاد کرانا نہیں" ہے تو پھر اس میں ان کی اور دیوبند کے دوسرے بزرگوں کی شمولیت اور عدم تشدّد کے اعلان سے جو نتیجہ نکلتا ہے اسے ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے۔ کہ انگریز کے خلاف جو ان کی تشدد کی پالیسی تھی وہ ناکام ہوگئی۔ اور آخر کار انہیں عدم تشدد کی پالیسی ہی اپنانی پڑی۔

ہندوستان کے علماء کرام اور ہمدردان اسلام نے نہ صرف ۱۸۵۷ء کے بعد ہی جبکہ حکومت برطانیہ کا پوری دنیا میں طوطی بول رہا تھا انگریز کے خلاف جہاد کو ناجائز قرار دیا اور ان کی حکومت میں ہندوستان کو دارالاسلام تسلیم کیا اور ان کی وفاداری کی اور اس کے حق میں لکھا بلکہ اس کے پچاس ساٹھ سال بعد بھی بڑے بڑے لیڈروں اور علماء کرام کی ایسی تحریرات اور تقاریر ہیں جن میں وہ حکومت برطانیہ کے گن گاتے نظر آتے ہیں۔ ان کی یہ باتیں اخبارات، رسالوں اور کتابوں میں ایسی محفوظ ہو چکی ہیں کہ اب وہ مٹانے سے مٹ نہیں سکتیں۔ ذیل میں قارئین کرام کے سامنے ان کا کچھ نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱ ۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب لکھتے ہیں

(۱) "اس مذہبی آزادی اور امن و امان کی موجودگی میں بھی اگر کوئی بدبخت مسلمان گورنمنٹ سے سرکشی کی جرأت کرے تو ہم ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ وہ مسلمان

مسلمان نہیں۔" (اخبار زمیندار لاہور ۱۱ر نومبر ۱۹۱۱ء)

(ب) "ہمیں ہمارا پاک مذہب بادشاہِ وقت کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ ہم کو سرکار انگلشیہ کے سایۂ عاطفت میں ہر قسم کی دینی و دنیوی برکتیں حاصل ہیں ہم پر از روئے مذہب گورنمنٹ کی اطاعت فرض ہے۔"

(اخبار زمیندار لاہور یکم نومبر ۱۹۱۱ء)

(ج) "زمیندار اور اس کے ناظرین گورنمنٹ برطانیہ کو سایۂ خدا سمجھتے ہیں اور اس کی عنایات شاہانہ اور انصاف خسروانہ کو اپنی دلی ارادت اور قلبی عقیدت کا کفیل سمجھتے ہوئے اپنے بادشاہ عالم پناہ کی پیشانی کے ایک قطرہ کی بجائے اپنے جسم کا خون بہانے کے لئے تیار ہے اور یہی حالت ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی ہے۔" (اخبار زمیندار لاہور ۲۲ر نومبر ۱۹۱۱ء)

(د) "اگر خدا نخواستہ گورنمنٹ انگلشیہ کی کسی مسلمان طاقت سے اَن بَن ہو جائے . . . تو ایسی حالت میں مسلمانوں کو اسی طرح سرکار کی طرف سے جلتی آگ میں کود کر اپنی عقیدت مندی ثابت کرنی چاہیئے جس طرح سرحدی علاقہ اور سمالی لینڈ کی لڑائیوں میں مسلمان فوجی سپاہیوں نے اپنے مذہبی اور قومی بھائیوں کے خلاف جنگ کر کے اس بات کا بار بار ثبوت دیا ہے کہ اطاعت اولی الامر کے اصول کے وہ کس درجہ پابند ہیں۔" (زمیندار ۱۲ر نومبر ۱۹۱۱ء)

(ھ) "بحیثیت جمعیۃ الاسلام کے آقا ہونے کے اس گھٹا ٹوپ تاریکی میں امید کی کوئی روشن کرن نظر آتی ہے تو وہ حضور جارج خامس شہنشاہ خلد اللہ ملکھم کی ذات بر کات ہے جو دس کروڑ مسلمانوں کے آقا ہونے کے لحاظ سے

ہماری دستگیری پر منجانب اللہ مامور کئے گئے ہیں ۔" (اخبار زمیندار ۲۸ جولائی ۱۹۱۱ء)

(د) "خدایا یہ بے شک اسلامی حکومت ہے اس حکومت کا سایہ ہمارے سروں پر ابد الآباد تک قائم رکھ خدا ہمارے شہنشاہ جارج خامس قیصر ہند کے عمر و اقبال سے ہمیں مستفیض ہونے کا موقع دے ۔" (زمیندار ۲ اکتوبر ۱۹۱۱ء)

(ز) ہندوستان کا اُصول جہاد بے تشدد جدّوجہد ہے اس پر تمام ہندوستان کے مسلمانوں کا اتفاق ہے ۔" (اخبار زمیندار لاہور ۱۴ جون ۱۹۳۶ء)

(ح) "اسلام نے جب کبھی جہاد (بالسیف ناقل) کی اجازت دی ہے مخصوص حالات میں دی ہے ۔ جہاد ملک گیری کی ہوس کا ذریعہ تکمیل نہیں ہے . . . . . اس کے لئے امارت شرط ہے ۔ اتنی شرطوں کے ساتھ جو مسلمان خدا کی راہ میں نکلتا ہے اس کو کوئی شخص مطعون نہیں کر سکتا البتہ اگر مسلمانوں نے اپنی حکومت و سلطنت کے زمانہ میں کبھی ملک گیری کے لئے، توسیع مملکت کے لئے، اقوام و اُمم کو غلام بنانے کے لئے تلوار اُٹھائی ہے تو اس کو جہاد سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔"

(زمیندار ۱۴ جون ۱۹۳۶ء)

۲ ۔ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال فرماتے ہیں

(ا) "ہندوستانی مسلمانوں کے اس زندہ اور جاندار طبقے کی بدولت جس نے دولت برطانیہ کی ناانصافیوں کے باوجود فوج اور پولیس میں شریک ہو کر انگریزوں کو اس قابل بنایا ہے کہ وہ اس ملک پر اپنی حکومت قائم رکھیں ۔"

(خطبۂ صدارت آل انڈیا مسلم لیگ منعقدہ الہ آباد ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء بحوالہ حرف اقبال ص ۳۰)

(ب) "ہم میں سے بہت سے لوگوں کا اور میرا خود بھی یہی خیال ہے کہ انگلستان

اس وقت اس مقصد کے حصول کے لئے تمام بنی نوع انسان کی قیادت کرنے کی اہلیت رکھتا ہے وہاں کے لوگوں کی سوجھ بوجھ، ان کا انسانی فطرت کے گہرے مطالعے پر مبنی سیاسی شعور، ان کی متانت، مستقل مزاجی، متعدد لوازم میں دوسروں پر ان کی اخلاقی برتری، مادی ذرائع پر ان کا حیرت انگیز انضباط، انسانی فلاح و بہبود کے لئے بہت سی تحریکوں کا وجود اور زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی تنظیم، یہ تمام باتیں ایسی ہیں کہ کوئی غیر ملکی ان کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا، حقیقت تو یہ ہے کہ مذکورہ بالا خوبیوں کا حسن اجتماع ہی دُنیا میں برطانوی قوم کے اس غیر معمولی اقتدار کا باعث رہا ہے۔" (سر فرانسیس ہسبند کے نام خط سول ملٹری گزٹ ۳۰ ر جولائی ۱۹۳۰ء حرف اقبال ص ۱۶۷)

(ج) "مجھے کوئی اعتراض نہیں اگر ہندو ہم پر حکومت کریں بشرطیکہ ان میں حکومت کرنے کی اہلیت اور شعور ہو لیکن ہمارے لئے دو آقاؤں کی غلامی ناقابل برداشت ہے ہندو اور انگریزوں میں سے صرف ایک ہی کا اقتدار گوارہ کیا جاسکتا ہے۔ (سول ملٹری گزٹ ۳۰ ر جولائی ۱۹۳۰ء بحوالہ حرف اقبال ص ۱۷۰)

(د) "اسلام پر تلوار کے ذریعہ اشاعت اسلام کا الزام بالکل بے بنیاد ثابت ہوتا ہے۔ جب ہم دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالیں۔ مثال کے طور پر آپ نے ہندوستان کو لیا اور فرمایا کہ تاریخ سے ثابت ہے کہ بنگالہ میں مسلمانوں کی مستقل اور دیرپا حکومت کبھی قائم نہیں رہی مگر وہاں مسلمانوں کی آبادی بہ نسبت دیگر صوبہ جات زیادہ ہے اسی طرح ریاست ہائے بلغان میں اسلام ایک مسلمان قیدی کے ذریعہ سے پہلے عیسائی قیدیوں میں پھیلا پھر دیگر حصص ملک میں۔ اسی طرح جاوا میں اسلام

اس وقت پھیلا جبکہ ایشیا میں مسلمانوں کا پولیٹکل زوال زور پر تھا۔ پھر موجودہ حالت کے بارے میں بیان کیا کہ اس وقت مسلمانوں کا پولیٹکل زوال پورا ہوگیا ہے مگر ترقی اسلام کا یہ حال ہے کہ جزیرہ مڈغاسکر میں پادریوں نے ایک کانفرنس کرکے یہ رزولیوشن پاس کیا کہ چونکہ اس جزیرہ میں اسلام کی روزافزوں ترقی گورنمنٹ فرانس کے لئے خطرناک ہے اس لئے گورنمنٹ کو اسلام کی ترقی روکنے کی تدابیر اختیار کرنی چاہیئں۔ یہی حال افریقہ میں ہو رہا ہے جہاں اسلام بڑے زور سے پھیل رہا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کا پولیٹکل ان ممالک میں خاک بھی نہیں بلکہ صرف انفرادی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ مسلمانوں کے زوال کا بڑا باعث اشاعت اسلام کے کام میں غفلت ہے اور شکر ہے کہ اس مریض کو جس شخص نے اوّل پہنچانا وہ حضرت خواجہ کمال الدین ہیں جنھوں نے ہر قسم کے دنیاوی مفاد قربان کرکے یہ عظیم الشان کام اپنے ذمہ لیا۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی دامے، درمے ہر قسم کی امداد میں پہلوتہی نہ کریں اور اس نیک کام میں احمدیت و غیر احمدیت کے سوال کو نہ آنے دیں کیونکہ ہمارا خدا، ہمارا رسول، ہماری کتاب ایک ہی ہے۔"

(ہفت روزہ پیغام صلح لاہور ۲۵، نومبر ۱۹۱۳ء)

۳۔ مولوی مسعود عالم صاحب ندوی لکھتے ہیں۔

"ہندوستان کی جماعت اہل حدیث کے سرکردہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے . . . سرکار انگریزی کی اطاعت کو واجب قرار دیا . . . جہاد کی منسوخی پر ایک رسالہ (الاقتصاد فی مسائل الجہاد) فارسی زبان میں تصنیف فرمایا تھا اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی شائع کرائے تھے۔ معتبر

اور ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اس کے معاوضے میں سرکار انگریزی سے انہیں جاگیر بھی ملی تھی۔"
(کتاب ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک حاشیہ ص ۲۹)

۴ - خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی لکھتے ہیں

"جہاد کا مسئلہ ہمارے ہاں بچے بچے کو معلوم ہے وہ جانتے ہیں کہ جب کفار مذہبی امور میں حارج ہوں اور امام عادل جس کے پاس حرب و حزب کا پورا سامان ہو لڑائی کا فتویٰ دے تو جنگ ہر مسلمان پر لازم ہو جاتی ہے مگر انگریز نہ ہمارے مذہبی امور میں دخل دیتے ہیں نہ اور کسی کام میں ایسی زیادتی کرتے ہیں جس کو ظلم سے تعبیر کر سکیں نہ ہمارے پاس سامان حرب ہے ایسی صورت میں ہم لوگ ہرگز ہرگز کسی کا کہنا نہ مانیں گے اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالیں گے۔"
(رسالہ شیخ سنوسی ص ۱۷)

۵ - سید عطاء اللہ شاہ صاحب کا اعتراف

"۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں علماء شریک ہوئے اور ناکامی کے بعد مارے گئے کچھ قید ہوئے۔ ہزاروں انسان قتل ہوئے شہزادے قتل ہوئے ان کا خون کیا گیا۔ ان مصیبتوں کے بعد ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اسلامی حکومت قائم کرنے کا خیال شکست کھا گیا اس کے بعد پھر ۱۹۱۴ء میں علماء کی ایک جماعت نے اسی خیال سے یعنی مسلم راج قائم کرنے کے خیال سے تحریک شروع کی اور اس میں شکست کھائی اس کے بعد سنہ ۱۹۲۰ء میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبند مالٹا سے رہا ہو کر تشریف لائے دہلی میں ملک کے مختلف حصوں سے پانچ سو سے زائد علماء کا اجتماع ہوا اور وہاں یہ طے پایا کہ تشدد کا یہ راستہ غلط ہے موجودہ دور میں اسلامی حکومت

کا قیام تقریباً ناممکن ہے لہذا کانگریس کے ساتھ شامل ہو کر ہندوستان کی تمام جماعتیں مل کر ملک کا انتظام کریں اور جمہوری حکومتیں بنائیں چنانچہ اس وقت تک ہم اسی عقیدے پر قائم ہیں اور ہم اسی راستہ کو صحیح سمجھتے ہیں۔"

(سوانح حیات عطاء اللہ شاہ بخاری مؤلفہ خان کابلی ص ۱۲۰)

۶۔ جناب سید علی الحائری صاحب مجتہد اہل شیعہ لکھتے ہیں۔

"ہم کو ایسی سلطنت کے زیر سایہ ہونے کا فخر حاصل ہے جس کی حکومت میں انصاف پسندی اور مذہبی آزادی قانون پا چکی ہے جس کی نظیر اور مثال دنیا کی کسی اور سلطنت میں نہیں مل سکتی . . . . . اس لئے نیابتاً تمام شیعوں کی طرف سے برٹش سلطنت کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں اس ایثار کا جو وہ اہل اسلام کی تربیت میں بے دریغ مرعی رکھتی ہے خاص کر کے ہمارا فرقہ جو تمام اسلامی سلطنتوں میں تیرہ سو برس کے ناقابل برداشت مظالم کے بعد آج اس انصاف پسند عادل سلطنت کے زیر حکومت اپنے تمام مذہبی فرائض اور مراسم تولّا اور تبرّا کو بپابندی قانون اپنے اپنے محل وقوع میں ادا کرتے ہیں۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ ہر شیعہ کو اس احسان کے عوض (جو آزادیٔ مذہب کی صورت میں انہیں حاصل ہے) صمیم قلب سے برٹش حکومت کا رہین احسان اور شکر گزار ہونا چاہیئے اور اس کے لئے شرع بھی اس کو مانع نہیں ہے کیونکہ پیغمبر اسلام علیہ وآلہ السلام نے نوشیروان عادل کے عہد سلطنت میں ہونے کا ذکر مدح اور فخر کے رنگ میں بیان فرمایا ہے۔"

(موعظہ تحریف قرآن اپریل ۱۹۲۳ء)

۷ ۔ مولانا نصر اللہ خاں عزیز ایڈیٹر اخبار زمیندار لاہور نے لکھا ہے

"اسلام نے جب کبھی جہاد کی اجازت دی ہے مخصوص حالات میں دی ہے جہاد ملک گیری کی ہوس کا نتیجہ نہیں ہے وہ وسیلہ ہے ابن آدم کی مظلومی و بے چارگی سے نجات دلانے کا۔ وہ ہے دشمنوں کی پیش قدمی اور ابتدا شرط ہے، اتنی شرطوں کے ساتھ جو مسلمان خدا کی راہ میں نکلتا ہے اس کو کوئی شخص مطعون نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر مسلمانوں نے اپنی حکومت و سلطنت کے زمانہ میں کبھی ملک گیری کے لئے، توسیع مملکت کے لئے، اقوام و اُمم کو غلام بنانے کے لئے تلوار اُٹھائی ہے تو اس کو جہاد سے کوئی تعلق نہیں۔ ارشاد نبوی ہے إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ہندوستان کے مسلمانوں کے موجودہ حالات خنجر و شمشیر کے متحمل نہیں ہیں ہم اس ملک میں محکومی کی زندگی بسر کر رہے ہیں یہ مصیبت نہایت صبر آزما ہے اس کا ایک ایک لمحہ سوہانِ رُوح کا موجب ہے۔ . . . ہندوستان کا اُصول جہاد بے تشدّد جدّو جہد ہے۔ اس پر تمام ہندوستانیوں کا اتفاق ہے اور اسلام کی تاریخ کے اعتبار سے یہ شئے نہ عجیب ہے اور نہ جدید۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائی عہد میں جبکہ حضور صلعم کے حالات ہندوستانیوں کے حالات کے مماثل تھے تو بے تشدّد جدّو جہد پر حزم و احتیاط کے ساتھ عمل کیا تھا۔ ہم بھی وطن کی آزادی پُر امن اور بے تشدّد طریقوں سے حاصل کرنا چاہتے ہیں اور انشاء اللہ اسی طریقہ سے حاصل کریں گے۔"

(اخبار زمیندار لاہور ۱۴ ؍ جون ۱۹۳۶ء)

۸ ۔ مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند نے سہارنپور میں تقریر کرتے

ہوئے کہا۔

"بھائی صاحب! معاف کرنا یہ مولوی تو ایک ہی چیز جانتے ہیں یا تو جہاد کریں گے نہیں تو ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں گے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ یہ جذبہ تو قابل تعریف ہے لیکن تجربہ کے خلاف ہے ۱۸۵۷ء میں تم جہاد کر کے دیکھ چکے ہو جب اس وقت کامیاب نہیں ہوئے تو اب کیا توقع ہے۔ تم کو اگر جہاد کا شوق ہے تو کر کے دیکھ لو مجھے تمہارے اس عقیدے پر کوئی اعتراض نہیں لیکن کامیاب نہیں ہو گے۔"

(الجمعیۃ ۲۸ راگست ۱۹۳۱ء ص ۲۔ کالم ۱)

۹ ۔ غلام جیلانی برق صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ

"یہ درست ہے کہ انگریز کے زمانہ میں ان کے خلاف اعلان جہاد خلاف مصلحت تھا اس لئے کہ ہمارے پاس ٹوٹی ہوئی لاٹھی بھی نہ تھی۔"

(حرف محرمانہ ص ۱۹۹)

باب ہشتم

انگریز کے خلاف جہاد کرنا حرام ہے

۱۸۵۷ء سے لیکر ہندوستان کی آزادی تک علماء کرام و رہنمایان قوم نہ صرف انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کو نہ صرف ناجائز کہتے چلے آ رہے تھے بلکہ بعض نے تو انگریز کے خلاف جہاد کرنے کو حرام قرار دیا تھا جیسا کہ وہ لکھتے ہیں۔

۱۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی لکھتے ہیں

(ا) "اس تشریح کا مجمل ماحصل یہ ہے کہ مسلمان رعایا کو اپنے گورنمنٹ سے (خواہ وہ کسی مذہب یہودی، عیسائی وغیرہ پر ہو اور اس کے امن و عہد میں وہ آزادی کیساتھ شعار مذہبی ادا کرتی ہو) لڑنا یا اس کے لڑنے والوں کی جان و مال سے اعانت کرنا جائز نہیں ہے و بناءً علیہ اہل اسلام ہندوستان کے لئے گورنمنٹ انگریزی کی مخالفت و بغاوت حرام ہے۔" (رسالہ اشاعۃ السنۃ اکتوبر و نومبر ۱۸۸۳ء جلد ۶ ص ۲۸۷۔ ص ۱۰۱)

(ب) "اس گورنمنٹ سے لڑنا یا ان سے لڑنے والوں کی (ان کے بھائی مسلمان کیوں نہ ہوں) کسی نوع سے مدد کرنا صریح غدر اور حرام ہے۔" (رسالہ الاقتصاد فی مسائل الجہاد ص ۴۹)

(ج) اہل حدیث ہند وہابی نہیں۔ . . . . وہ لوگ بغاوت گورنمنٹ جس کے ظلِ حکومت میں با امن اوقات بسر کرتے ہوں بحکم نصوص قرآن و حدیث حرام جانتے

ہیں اور اس اعتقاد کو اپنے مذہب کا جز سمجھتے ہیں۔"

(ر.بو.بو ترجمان وہابیہ پر۔ اشاعۃ السنۃ جلد ششم نمبر چہارم اپریل ۱۸۸۳ء ص ۱۰۴، ۱۰۵)

۲ ۔ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم لکھتے ہیں

"معترض کا یہ کہنا کہ اقبال اس دَورِ ترقی میں جنگ کا حامی ہے۔ میں جنگ کا حامی نہیں ہوں نہ کوئی مسلمان شریعت کے حدودِ مُعیّنہ کے ہوتے ہوئے اس کا حامی ہو سکتا ہے قرآن کی تعلیم کی رُو سے جہاد یا جنگ کی صرف دو ہی صورتیں ہیں محافظانہ اور مصلحانہ۔ پہلی صورت میں بھی اس صورت میں . . . . جبکہ مسلمانوں پر ظلم کیا جائے اور ان کے گھروں سے نکالا جائے مسلمان کو تلوار اُٹھانے کی اجازت ہے (نہ حکم) . . . اگر گذشتہ زمانہ کے مدبرین اور سیاسیین قرآن پر تدبر کرتے تو اسلامی دنیا میں جمعیت الاقوام کو بنے ہوئے کئی صدیاں گذر گئی ہوتیں . . . جُوعِ الارض اور تسکین کے لئے جنگ کرنا دینِ اسلام میں حرام ہے اور دین کی اشاعت کے لئے تلوار اٹھانا بھی حرام ہے۔"

(اقبال نامہ یعنی مکاتیب اقبال حصہ اول ص ۲۰۲)

۳ ۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے متعلق لکھا ہے

سوہدرہ سے ایک رسالہ "مسلمان" نکلتا ہے اس میں لکھا ہے کہ

"ان حالات میں قدرتاً حضرت مولانا پر اپنے ماحول کا اثر ہونا ضروری تھا کیونکہ اس وقت ضرورت بھی اس امر کی تھی جبکہ جہاد بالسیف کو ہمارے علماء کرام بغاوت سرکشی اور حرام کہہ چکے تھے اور دشمنان اسلام کی طرف سے جنگ بالقلم ہو رہا تھا تو اب ضرورت بھی جہاد بالقلم ہی کی تھی۔"

(مسلمان ۱۹۴۸ء)

۴ ۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں ۔

" کوئی سچا مصلح تلوار اور قلم میں سے ایک چیز کو اختیار کرنے اور ایک ہی ذریعہ سے فریضۂ اصلاح کو انجام دینے کا فیصلہ نہیں کرسکتا اس کو اپنا کام پورا کرنے کے لئے دونوں چیزوں کی ضرورت ہے جب تک زبانی تلقین و تبلیغ شوریدہ سر جماعتوں کو اخلاق وانسانیت کے حدود کا پابند بنانے میں کارگر ہوسکتی ہو تو ان کے خلاف تلوار استعمال کرنا ناجائز بلکہ حرام ہے ۔"

(الجہاد فی الاسلام طبع سوم ص ۲۷)

باب نہم

کیا سر سیّد احمد انگریز کے ایجنٹ تھے؟

ہندوستان میں انگریز کی آمد اور آہستہ آہستہ اس ملک پر اس کا قبضہ کرنا اور پھر اس کے خلاف ۱۸۵۷ء کے واقعات کا رُونما ہونا اور پنجاب کے بڑے بڑے خاندانوں، نوابوں اور ہندوستان کے لوگوں کا انگریز کی مدد کرنا اور اس کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کو اس غدر کا ذمہ دار ٹھہرایا جانا اور جس کی وجہ سے مسلمانوں کا مصائب و مشکلات سے دوچار ہونا اور ایسے نازک وقت میں ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے مشکلات اور مصائب کا جو حل علماء کرام، لیڈران قوم اور بزرگان دین نے سوچا اور اس پر مسلمان عمل پیرا ہوئے انہیں آپ گزشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں انہی لیڈران میں سے سر سیّد احمد خاں مرحوم کے متعلق کے مولینا عبیداللہ سندھی مرحوم اور مسٹر غلام احمد پرویز صاحب وغیرہ نے جو آراء دی ہیں ان کا پڑھنا بھی ضروری ہے تاکہ اُس زمانہ کی مشکلات کا آپ صحیح اندازہ کر سکیں۔

۱ ۔ مولانا عبیداللہ صاحب سندھی نے کہا

”اسی زمانے میں سر سیّد پیدا ہوئے تھے ان کی دُور رس نگاہ نے دیکھ لیا تھا کہ برطانوی حکومت آنی جانی چیز نہیں وہ ایک طویل عرصے تک برسر اقتدار رہے گی

اس لئے اگر مسلمانوں کو اس ملک میں عزت و آبرو کی زندگی بسر کرنا ہے تو انہیں لازماً انگریزوں سے تعاون کرنا چاہئے اس وقت اس کی پہلی شرط یہ تھی کہ انگریزوں کے طور طریقوں کو مذہبی نقطۂ نظر سے جو اس قدر مردود اور خلاف اسلام سمجھا جاتا تھا یہ تعصب دُور ہو چنانچہ سرسید نے اسے دُور کرنے کی دعوت دی یہ سرسید کا ذاتی فکر تھا۔ اور خود ان کے غور و تدبر کا نتیجہ، لیکن سرسید کا یہ اقدام برطانوی حکومت کے لئے مفید تھا، اسی بنا پر جب انھوں نے اپنی یہ تحریک شروع کی تو حکومت نے اس میں ان کی مدد کی اور جب انھوں نے کالج بنایا تو انگریزوں نے اس کی سرپرستی کی۔ غرض اس معاملے میں دونوں کے مفادات ایک تھے۔ اب یہ کہنا کہ سرسید انگریزوں کے آدمی تھے اور انھوں نے اپنے آپ کو انگریزوں کے ہاتھ بیچ دیا تھا ٹھیک نہیں۔ ان کا اپنا ایک مستقل فکر تھا۔ وہ اسے اس زمانے میں مسلمانوں کے لئے مفید سمجھتے تھے اتفاق سے اس فکر سے انگریزی حکومت کو وقتی طور پر تقویت ملتی تھی لیکن اس کو اپنانے میں سرسید کے نزدیک مسلمانوں کا بھی فائدہ تھا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔"

(افادات و ملفوظات ص ۹۰۶)

۲ ۔ غلام احمد پرویز صاحب لکھتے ہیں۔

"سرسید کے خلاف ان کے مخالفین کا سب سے بڑا حربہ یہ ہے کہ وہ ساری عمر برطانوی سامراج سے دوستی اور رفاقت کا حق ادا کرتے رہے اور اپنی قوم کو بھی اس کے خلاف نبرد آزما ہونے سے باز رکھا۔ وہ قوم جو زندگی کی صلاحیتوں سے بے نصیب اور حقائق سے روگرداں ہو کر مدت سے جذبات کی رَو میں بہتی چلی آرہی ہے اس کے گرم جوش حلقوں سے اس قسم کا الزام بعید از قیاس نہیں لیکن تاریخ کے اٹل حقائق

کی روشنی میں ذرا سنجیدگی سے سوچیے کہ اگر سرسید اعتدال کی اس راہ کو اختیار نہ کرتے تو ہمارا حشر کیا ہوتا۔ سرسیّد کی عقابی نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ مسلسل آرام کوشیوں اور عیاشیوں کے باعث جس قوم نے اپنی صدیوں کی سلطنت کے ساتھ زندگی کی متاعِ عزیز تک کو بھی ہار دیا اس کا نئے حکمرانوں سے، جو پہلے ہی جوشِ انتقام میں اس کی رگِ حیات کاٹ دینے پر تُلے ہوئے بیٹھے تھے لڑائی مول لینا موت اور خودکشی کو دعوت دینے سے کم نہیں . . . . قومی ہلاکت کی اس فضا میں انسانی فراست کا یہ کتنا بڑا معجزہ ہے کہ سرسیّد کا قلم دلائل و براہین کی پوری قوت سے مسلح ہو کر حرکت میں آیا اور اس سے برطانوی حکومت پر واضح کیا کہ مسلمانوں کو اپنا ازلی دشمن سمجھنا صرف غلط فہمی پر مبنی ہے بلکہ بد دیانتی بھی ۔" (طلوعِ اسلام دسمبر ۱۹۵۹ء)

۳ ۔ **مولانا عبدالماجد دریا بادی** نے لکھا ہے

"سرسید نے انگریزی حکومت کو مضبوط کیا۔ یہ اپنی جگہ بالکل صحیح ہے اور وقت کے حالات کا عین مقتضا یہی تھا ۱۸۷۰ء و ۱۸۸۰ء کے واقعات کو ۱۹۵۴ء کے معیار پر جانچنا ستّر سال کے بُوڑھے کو دس سال کے بچے کی عینک سے دیکھنا ہے۔"

(صدق جدید لکھنؤ ، ۲۷ فروری ۱۹۵۴ء)

۴ ۔ **ڈاکٹر ابواللیث صدیقی** صاحب نے لکھا ہے

"سرسیّد احمد خاں کے لئے یہ وقت بڑی نزاکت کا تھا۔ وہ بے شک انگریزوں کے ملازم رہے تھے اور قلعہ مُعلّٰی میں رہنے والے بہادر شاہ یا ان کے شاہزادوں کے متعلق ان کے خیالات بہت اچھے نہیں تھے وہ ان مظالم لُوٹ کھسوٹ اور غارت گری کو بھی بُرا سمجھتے تھے جس کا مظاہرہ چند خود غرض غیر ذمہ دار مفسدوں نے

ہنگامے کے دَوران میں کر کے پوُری تحریک کو صدمہ پہنچایا تھا لیکن عام مسلمانوں کو وہ کسی خاص خطا کا مُجرم نہیں سمجھتے تھے لیکن انگریزوں سے یہ بات کہنا بڑے دل گُردے کی بات تھی وہ اگر چاہتے تو اپنی وفاداری کے صلہ میں بہت بڑی جاگیر اور پنشن لے لیتے حاؔلی نے حیاتِ جاوید میں لکھا بھی ہے کہ انہیں ان کی خدمات کے صلہ میں کسی رئیس کی ضبط کی ہوئی ریاست دینا بھی تجویز ہوئی تھی لیکن سر سیّد نے اُسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ سر سیّد نے انگریزوں کی دوستی سے یوں بھی کوئی ذاتی فائدہ نہیں اٹھایا ان کی مالی حالت ہمیشہ خراب رہی۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ جب وہ اپنے بیٹے سیّد محمود کو تعلیم دلانے کی نیت سے انگلستان لے گئے تو اپنی کتابیں اَونے پَونے بیچ کر اور اپنی کوٹھی پر روپیہ قرض لے کر سرمایہ فراہم کیا۔ وہ مسلمانوں سے غداری کیا کرتے وہ تو ساری عمر ان کی بدنصیبی اور تباہ حالی پر خون کے آنسو روتے رہے انہیں آنسوؤں میں ایک آنسو اُن کا یہ رسالہ "اسبابِ بغاوتِ ہند" ہے۔

(مقدمہ اسبابِ بغاوتِ ہند ص ۶۰ - ۶۱)

باب دہم

دیگر اسلامی ممالک کا حال

دیکھا آپ نے انگریز ہندوستان میں کس طرح ایک ایمبیسیڈر کی حیثیت سے آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ۱۸۴۹ء تک بلا شرکتِ غیرے سارے ہندوستان کا مالک بن گیا۔ اس نے نہ صرف ہندوستانیوں کی جہالت، بے عملی اور کورانہ تقلید اور انتشار سے فائدہ اٹھایا بلکہ اس کے مادی فلسفہ اور سائنسی علوم کے خطرناک سیلاب کے سامنے کوئی اسلامی ملک بھی نہ ٹھہر سکا اس پر اسلامی دنیا کی تاریخ گواہ ہے۔

۱۔ مجمع الجزائر خصوصاً جاوا کے مسلمانوں میں کسی قسم کی حرکت نہیں تھی، نہ سیاسی، نہ ثقافتی، نہ علمی۔ یہ لوگ ڈچ حکومت کے "زیر سایہ" کان ڈھلکائے غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے چونکہ دستور قدیم کے مطابق حج کر لینے کے بعد شادی میں سہولت حاصل ہو جاتی تھی اس لئے اس جزیرہ کے باشندے اس فریضہ کی ادائیگی میں بہت سرگرمی کا اظہار کرتے تھے بلکہ اس کو جہاد فی سبیل اللہ سمجھتے تھے۔

۲۔ (ا) افغانستان کے باشندے تقلید، تعصب، جہالت اور رسوم پرستی میں تمام مسلمانوں سے چار قدم آگے تھے ان معاملات میں کوئی قوم ان کی حریف

نہیں تھی، سیاسی اعتبار سے افغانستان کے مسلمان انگریزوں کے زیر اقتدار تھے کیونکہ عبدالرحمن خاں اور حبیب اللہ خاں دونوں کو دولت برطانیہ کے خزانہ سے ۲۶ لاکھ روپے سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔

(ب) مولوی محمد علی قصوری لکھتے ہیں

"انگریزی حکومت کے ہندوستان کے قیام کے بعد اس کی افغانستان سے آئے دن چپقلش رہتی تھی بالآخر انگریزوں نے امیر عبدالرحمن کو کابل کے تخت پر بٹھلایا اور ان سے معاہدہ کیا کہ وہ ہندوستانی سرحدوں پر افغانی قبائل کی یورش کی روک تھام کرتے رہیں گے اور اس کے صلہ میں انہیں بارہ لاکھ سالانہ وظیفہ دینا منظور کیا۔ امیر عبدالرحمن مرحوم نہایت جابر بادشاہ تھے انھوں نے افغانوں کی رُوحِ آزادی کچلنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔" (معاہدات کابل یاغستان)

(ج) اسی طرح امیر حبیب اللہ صاحب کے متعلق لکھتے ہیں

"امیر صاحب کا سارا بجٹ انگریزوں کے روپے کا مرہُون احسان تھا ان کا تمام ذاتی خرچ ہندوستان کے امدادی روپے سے چلتا تھا۔ پھر مختلف بیش قیمت تحائف بھی سرکار انگریزی سے اعلیحضرت کی خدمت میں پہنچتے رہتے تھے۔ بڑے بڑے افغان افسر تقریباً تمام انگریزوں کے خیر خواہ تھے۔"

(مشاہدات کابل و یاغستان ص ۲۷ و ۲۸۔ از مولوی محمد علی قصوری)

۳۔ ترکستان (سمرقند و بخارا) کے جو مسلمان تھے وہ ۱۸۷۳ء سے روس کی غلامی میں زندگی بسر کر رہے تھے ان پر بھی کامل جمود طاری تھا افغانوں کی طرح علوم و فنون سے نفور اور ترقی و خوشحالی سے کوسوں دُور تھے۔

۴ ۔ ایران کے مسلمان، ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کے شکنجہ میں گرفتار تھے۔ یعنی آزاد ہونے کے باوجود غلام تھے اور معاشی بدحالی جو ملوکیت کا لازمی نتیجہ ہے ان کے سروں پر مسلط تھی فوج کے سپاہی رائفل کے بجائے تعویذ سے کام لیتے تھے اور عوام الناس جدوجُہد کے بجائے عزاخانوں میں مرثیہ خوانی اور سوز خوانی کو مقصد حیات سمجھتے تھے۔

۵ ۔ سلطنت ترکی اب اس حالت تک پہنچ گئی تھی کہ اب وہ اپنے دارالحکومت کی حفاظت بھی نہیں کر سکتی تھی اگر انگریز مانع نہ ہوتے تو روسی فوجیں کبھی کی قسطنطنیہ میں فاتحانہ طور پر داخل ہو چکی ہوتیں وہی سلطنت ترکی جس کے جنگی جہاز کبھی بحرِ ہند کا سینہ چیرتے رہتے تھے بیسویں صدی کے آغاز میں اس قدر عاجز اور نادار ہو گئی تھی کہ جب اطالیہ نے طرابلس پر حملہ کیا تو وہ اس ولایت کو بچانے کے لئے فوج روانہ نہ کر سکی محض اس لئے کہ اس کے پاس کوئی جنگی جہاز نہ تھا۔

اب رہے ترکی علما، تو ان کی روشن خیالی کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے قرآن حکیم کے ترجمہ کو کفر کا ہم پلہ قرار دیدیا تھا ان علماء کی نظر میں قرآنِ حکیم اس لئے نازل نہیں ہوا تھا کہ اس کے معانی اور مطالب سے آگاہی حاصل کی جائے۔ مولوی خواہ افغانی ہو یا ایرانی، ہندی ہو یا پاکستانی، مصری ہو یا ترکی اس کی ذہنیت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

۶ ۔ مصر پر انگریزوں کا اقتدار ۱۸۸۲ء میں قائم ہوا تھا اور اس صدی کے آغاز میں وہ اقتدار، تسلط کی صورت میں مبدّل ہو چکا تھا۔ سوڈان پر باقاعدہ برطانوی قبضہ ہو چکا تھا۔ لارڈ کچنر نے مہدی سوڈانی کی قبر کھود کر اس کی ہڈیوں کو شارعِ عام پر نذرِ آتش کیا۔ سوڈانی مسلمان دیکھتے رہے لیکن کچھ نہ کر سکے۔

۷ ۔ الجیریا اور طونیشیا پر فرانس نے اپنا تسلط قائم کر لیا تھا اور مراکش آزادی کی آخری سانسیں لے رہا تھا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان یا تو مختلف یورپین طاقتوں کے غلام تھے یا غلامی کی طرف مائل تھے۔ اس زمانہ کے مسلمانوں کی حالت زار کا جو نقشہ شبلی نعمانی مرحوم نے جو کھینچا ہے وہ یہ ہے ؎

مراکش جا چکا فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ٹرکی کا مریض ناتواں کب تک

باب یازدہم

”کیا یہ سب انگریز کے ایجنٹ ہیں“

آج یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہ گئی کہ ہمارے علما سنی ہوں یا شیعہ، مقلد ہوں یا غیر مقلد دیوبندی ہوں یا بریلوی ان کا صرف یہی مشغلہ رہ گیا ہے کہ وہ اپنی تحریر اور تقریر میں اپنے مخالف کو انگریز کا جاسوس اس کا تنخواہ دار اور انگریز کے اشارہ پر اپنی قوم سے غداری کرنے والا کہتے ہیں۔ مولوی صاحب کی اسی بات کا نتیجہ ہے کہ ہر فرقہ دوسرے کو انگریز کا زرخرید اور اس کا خود کاشتہ پودا سمجھتا ہے۔ مولوی کی نگاہ میں دوسرے کی آنکھ کا تنکا تو چبھتا ہے لیکن اسے اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ غرض وہ کونسی جماعت اور کونسا آدمی ہے جو دوسرے کی نشتر سے بچا ہوا ہے۔

ذیل میں انہی کی کتابوں، اخبارات اور رسائل سے دیئے ہوئے چند اقتباسات پڑھ کر امید ہے دوسروں پر کیچڑ اچھالنے والے عبرت حاصل کر کے آئندہ دوسروں کی الزام تراشیوں سے ضرور بچنے کی کوشش کریں گے۔

۱۔ چوہدری محمد حسین صاحب لاہور لکھتے ہیں کہ جب انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کیا تو وہ مسلمانوں سے خوفزدہ تھے اور

”وہ جانتے تھے کہ آنحضرت ؐ کی محبت کی قوت نے قیصر و کسریٰ کے در و دیوار

ہلا دیئے تھے۔ اس جذبہ کی جہانگیری سے انگریز بری طرح خائف تھا۔ مسلمانوں کی اس عزیز متاع ایمانی کو لوٹنے کے لئے انگریز نے ایک شخص قاسم نانوتوی کو اس کام کے لئے منتخب کیا جس نے انگریزوں کے مفاد کی بنا پر اسلام کے نام پر دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ نانوتوی ٹولہ انگریزوں کے اشارے پر ناچ رہا تھا اس وقت اس ٹولے کی کتابیں انگریزوں کی منشاء کے عین مطابق تھیں۔ اور ان کے مشن کو بڑی مدد ملی۔ یہی وجہ ہے آج بھی لاہور کی بائیبل سوسائٹی میں ان لوگوں کی تقویۃ الایمان اور ایسی ہی بے سودہ کتابیں عیسائی راہبوں نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے بطور حوالہ رکھی ہیں۔" (در جواب آں غزل ص ۷ و ۸)

۲ ۔ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ متبعین کے متعلق مولوی حشمت اللہ خاں صاحب قادری رضوی لکھنوی رقمطراز ہے

"یہ ہے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ کا وہ تحفہ جو انھوں نے حرمین شریفین سے اپنے ان متوسلین کے لئے بھیجا یا آپ کے علمی و روحانی فرزندوں کی جانب سے حضرت حاجی صاحب کے ان متوسلین و متبعین کو عطا فرمایا گیا جو اپنے پیر و مرشد کے مسلک سے منہ موڑ کر حکومت کے ایجنٹ بن کر تخریب دین اور افتراق بین المسلمین کا منحوس مشغلہ دنیا سنبھالنے کی خاطر کر بیٹھے تھے۔"

(الصوارم الہندیہ ص ۳۷)

۳ ۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے متعلق لکھا ہے۔

"۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو علماء دیوبند کی میٹنگ ہو رہی تھی کہ کانگرسی اور مسلم لیگی علماء دیوبند میں مصالحت کرائی جائے اس موقعہ پر دیوبندی اکابر کی

موجودگی میں علامہ (شبیر احمد) عثمانی صاحب نے یہ حیرت انگیز انکشاف کیا جس کی کوئی دیوبندی عالم تردید نہ کرسکا انھوں نے کہا تھا

"دیکھئے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اور آپ کے مسلم بزرگ و پیشوا تھے ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپیہ ماہوار حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے اس کے ساتھ ہی وہ یہ کہتے تھے کہ گو مولانا تھانوی صاحب کو اس کا علم نہ تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ ان کو اس کا شبہ بھی نہ گذرتا تھا" . . . لہٰذا موصوف کے معتقدین کو ڈنکے کی چوٹ بتا دیجئے کہ آپ کے مسلّم بزرگ اور پیشوا کو برٹش گورنمنٹ کی عنایات و وظائف کا پورا پورا علم تھا اور انگریزی عہد کا وہ انتہائی المناک ڈرامہ حکومت کے ہاتھوں میں چوں قلم در دست کاتب بن کر کھیل رہے تھے اور حکومت کے گن گا رہے تھے۔"

(الصوارم الہندیہ ص ۵۵، ۵۴)

۴ ۔ علماء دیوبند کے مذکورہ بالا اجلاس میں ایک اور المناک انکشاف بھی ہوا۔

"اس ضمن میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداً حکومت کی طرف سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا . . . . مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ کلکتہ میں جمعیۃ العلمائے اسلام حکومت کی مالی امداد اور اس کے ایما سے قائم ہوئی ہے الخ (الصوارم الہندیہ ص ۵۵ و ۵۶)

۵ ۔ شیخ الہند مولوی محمود الحسن کے والد مولوی ذوالفقار علی دیوبندی

ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے اور علامہ شبیر احمد عثمانی کے والد مولوی فضل الرحمن صاحب بھی بریلی میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس رہے تھے۔ مدرسہ دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس مولوی مملوک علی نانوتوی کے صاحبزادے مولوی محمد یعقوب نانوتوی بھی ڈپٹی انسپکٹر مدارس رہے۔ ان حضرات کو اہالیان ملک ان دنوں کالے پادری کہا کرتے تھے" یہ سب مدرسہ دیوبند کے بانی تھے جب برٹش گورنمنٹ نے اپنے تربیت یافتہ افراد سے قائم کروالیا تو کچھ عرصہ کے بعد اپنے خاص معتمد کے ذریعے خفیہ معائنہ کروایا تاکہ جائزہ لیا جائے کہ جس قدر کی خاطر یہ مدرسہ قائم کیا تھا آیا وہ مقصد اس کے ذریعہ حاصل ہو رہا ہے یا نہیں "

۳۱ر جنوری ۱۸۷۵ء بروز یکشنبہ لیفٹننٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسمی پامر نے اس مدرسہ کو دیکھا تو اس نے نہایت اچھے خیالات کا اظہار کیا۔ . . یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ ممد و معاون سرکار ہے . . . گکھڑوی صاحب! باب جنت کے مصنف کو اب تو سمجھا دیجئے کہ جو مدرسہ کالے پادریوں نے قائم کیا جس کے بارے میں خود انگریزوں نے اعتراف کیا کہ یہ مدرسہ ممد و معاون سرکار ہے جس کے اکابر نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کی بھرپور حمایت کی۔ اپنی تمام ہمدردیاں ایسٹ انڈیا کمپنی سے وابستہ رکھیں بلکہ انگریز کی حمایت میں حریت پسندوں سے برسرپیکار رہے جو اپنے آپ کو سرکار کا وفادار کہتے اور منواتے رہے۔ جو خود اعلان کرتے رہے کہ اگر ہماری حکومت ہو جائے تو ہم انگریزوں کو نہایت آرام و راحت سے رکھیں گے کیونکہ انھوں نے ہمیں آرام پہنچایا ہے جو انگریزوں سے ہزاروں روپیہ سالانہ بطور نذرانہ وصول کرتے رہے اور اس کے صلے تخریب دین و افتراق بین المسلمین کا ظالمانہ کھیل کھیلتے رہے ہیں۔" (الصوارم الہندیہ خلاصہ ص ۵۷، ۵۸)

۶ ۔ "دیوبندی ٹولہ انگریزوں نے اپنی ضرورت کے تحت تنخواہیں دے کر کھڑا کیا تھا اور اس انگریزی محکمہ کے انچارج مولوی اشرف علی تھانوی تھے جو کہ چھ سو روپیہ ماہوار (سات ہزار دو سو روپے سالانہ) انگریز سے تنخواہ پاکر مسلمانوں کو مشرک بدعتی کہتے تھے"

(ہفت روزہ سواد اعظم لاہور ۲۱ رنومبر ۱۹۶۲ء)

۷ ۔ اسی سواد اعظم لاہور مورخہ ۲۸ رنومبر ۱۹۶۲ء میں ایک لمبی نظم شائع ہوئی ہے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

تھے خانہ زاد لارڈ کلایو کے چار یار — نانوتوی و قاسمی، گنگوہی تھانوی
انگریز کے غلام تمہارے امام تھے — روندی گئی ہے جن کے عماموں کی برتری
انگریز کا مجاہد نقلی بنا تھا کون — تھا کون بھاڑ کھاؤ بنارس کا ایلچی
ارباب دیوبند تھے برٹش کے فضلہ خوار — پاتے تھے ماہوار وہ رقمیں بڑی بڑی

بریلوی حضرات کے متعلق لکھا ہے

۱ ۔ ہفت روزہ چٹان لکھتا ہے

(ا) "یہ لوگ انگریزی استعمار کی پیداوار ہیں۔ یہ ایک تکفیری گروہ تھا جو انگریزوں نے اپنے مقاصد خاص کے لئے پیدا کیا تھا۔ بریلی میں خان احمد خاں ان کے سرغنہ تھے لاہور میں مولوی دیدار علی اس کا علی بابا تھا جب دونوں فوت ہو گئے تو اپنے پیچھے ایک جماعت چھوڑ گئے۔" (ہفت روزہ چٹان لاہور ۱۳ راکتوبر ۱۹۶۲ء)

(ب) "فی الجملہ انگریزوں کے انٹیلی جنس برانچ کے اشارہ پر احمد رضا خاں اور ان کے جانشینوں نے علمائے دیوبند کی تکفیر کی کیونکہ انگریز دیوبند کی تسخیر سے عاجز آچکا تھا احمد رضا خاں ان خدمات کا معاوضہ نواب رامپور کی معرفت پانچسو روپے

ماہانہ لیتے رہے اور یہ راز اب سیکریٹ سروس کے ان کاغذوں سے کھل کر سامنے آگیا ہے جو برٹش میوزیم لندن میں رکھے گئے ہیں۔"

(ہفت روزہ چٹان لاہور ۲۲ اکتوبر ۱۹۶۲ء)

(ج) "یہ کام احمد رضا خاں صاحب نے بڑی چالاکی سے سرانجام دیا اور جب پھر برطانیہ سے رپورٹ پہنچی کہ اس طریقہ سے ہمیں کامیابی حاصل ہوئی ہے دیکھا کہ میں نے نیا دین بنا کر قوم کو اُلّو بنا کر سرکار برطانیہ کا وفادار بنایا ترک اور عربوں کے خلاف مسلمان انگریز کی فوج میں بھرتی ہو کر بغداد اور کعبہ پر بھی گولی چلا رہے ہیں اور نیا دین قوم نے قبول کر لیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ شورش کشمیری نے کیا خوب کہا ہے

عہد انگریز کا جاسوس ہے یا نوکر ہے	جو مسلمان کو کافر کہے خود کافر ہے
شرع کے نام پر ہیں ان کی دوکانیں قائم	دین اسلام کی پھٹکار مگر منہ پر ہے
لازماً اس راز سے تو آپ بھی ہیں باخبر	سو برس کس نے کیا انگریز کے در کا طواف
باندھ کر پٹکا نصاریٰ کی رضا جوئی کا	گولیاں ترک جوانوں پہ چلانے والے
کچھ نہیں جانتے اسلام کے معنی کیا ہیں	روٹیاں منبر و محراب کی کھانے والے
ہم مُوحّد ہیں ہمیں نام خدا کافی ہے	سر مزاروں پہ جھکاتے ہیں جھکانے والے

(رضا خوانی دین ص ۳۰ و ۳۱)

(د) "اس فرقہ کے پیش رو مولوی فضل رسول بدایونی انگریز کے وظیفہ خوار تھے (سوانح فضل رسول اکمل التاریخ)۔ اس خاندان کے چشم و چراغ محمد یعقوب ضیاء القادری انگریز اور والیان ملک کے ایجنٹ تھے۔ حکومت حیدرآباد دکن سے سترہ روپیہ یومیہ وظیفہ مقرر کروا دیا۔ بعد میں گیارہ روپے یومیہ وظیفہ ملتا

رہا جو مولوی عبدالقادر اور المقتدر عبدالقدیر کو بھی ملتار ہا اور مارہرہ کے گدی نشینوں کو بھی ملتار ہا۔" (رضا خانی دین ص ۳۱۔ از مفتی محمد سعید خطیب جامع مسجد بزم توحید ملکوال ضلع گجرات)

(د) بریلوی صاحبان کے متعلق شورش کشمیری نے لکھا ہے کہ انھوں نے

"انگریز کے اولوالامر ہونے کا فتویٰ دیا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے۔ انگریزوں کا یہ خود کاشتہ پودا کچھ دنوں بعد ایک مذہبی تحریک بن گیا"

(چٹان لاہور ۱۵ر اکتوبر ۱۹۶۲)

(ھ) مولانا ظفر علی خاں مرحوم کی نظم ہے جس میں رضا خانی کی پوری تصویر کھینچی ہے

اوڑھ کر احمد رضا خاں آئے بدعت کا لحاف ۔۔۔ ذات ان کی ہے مجدد بات ان کی لام وکاف
مانچسٹر کے کفن سازوں سے لایا ہے ادھار ۔۔۔ شرک کی انٹی بریلی کا یہ بڈھا نور باف
پیکر طاغوت ہے یا ہے رضائے مصطفےٰ ۔۔۔ باپ تھا اس لاش کا سر اور بیٹا اس کی ناف
مشغلہ ان کا ہے تکفیر مسلمانانِ ہند ۔۔۔ ہے وہ کافر جس کو ہو ان سے ذرا بھی اختلاف
جب سے پھوٹی ہے بریلی سے کرن تکفیر کی ۔۔۔ دید کے قابل ہے ان کا انعکاس وانعطاف
جو حریف اسلام کا ہو آپ ہیں اس کے حلیف ۔۔۔ اس کے دشمن آپ پہلے جو ہو نصاریٰ کے خلاف
ہم مٹادیں گے زمانہ میں نشان اسلام کا ۔۔۔ بندہ پرور کہہ نہیں دیتے یہی کیوں صاف صاف
زندگی اس کی ہے ملت کے لئے پیغام موت ۔۔۔ کررہا ہو جو بجائے کعبہ قبروں کا طواف

(رضا خانی دین ص ۳۲)

(و) نجم الدین احیا، صاحب ادارہ "عالمی اسلامی مشن" لندن کے متعلق لکھتے ہیں

"سی۔ آئی۔ اے دنیا کا وہ بدنام ترین ادارہ ہے جس نے آج بھی اسلامی

حکومتوں کو پریشان کر رکھا ہے انھوں نے جب دیکھا کہ پوری دنیا میں اسلامی تحریکیں آہستہ آہستہ پھیل رہی ہیں اور ان کا منبع زیادہ تر ہندو پاک ہے تو وہ بے چین ہوگئے آخر انہیں ایک آدمی مل ہی گیا۔ چنانچہ مولوی ارشد القادری انہیں تحریکات کا زور توڑنے کے لئے لندن بلائے گئے اور وہاں " عالمی اسلامی مشن " کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد رکھی جس کے وہ خود ہی معتمد ہیں اور خود ہی کنوینر۔ ناظرین " عالمی اسلامی مشن " کے نام سے دھوکا نہ کھائیں دراصل یہ سی آئی اے کی سازش ہے اور اس ادارہ کے ذریعہ وہ " عالمی اسلامی تحریکات " کا توڑ کرنا چاہتے ہیں "

(زلزلہ در زلزلہ ص ۲۶ حاشیہ)

(ز) تبلیغی تحریک کے مولانا الیاس صاحب کو حکومت برطانیہ کی طرف سے مالی امداد

" انگریزوں کو ایسی مذہبی تحریک کی ضرورت پیش کی جس کے چلانے والے اپنے ظاہر کے اعتبار سے مسلمانوں میں بارباب ہونے کی فنکارانہ صلاحیت رکھتے ہوں تاکہ ان کے ذریعہ عام مسلمانوں کو مذہبی انتشار میں مبتلا کیا جا سکے چنانچہ اس عظیم مقصد کے لئے انگریزوں نے مالی امداد کا سہارا دے کر مولانا الیاس کو کھڑا کیا جیسا کہ دیوبندی جمعیۃ العلماء کے ناظم اعلیٰ مولانا حفظ الرحمٰن کے ایک بیان میں اس کا اعتراف موجود ہے جس کا ذکر اوپر (نمبر ۳ میں) کیا گیا ہے ص ۹۸ "

(ح) . . . تبلیغی جماعت کی اس " بے لاگ جدوجہد " اور نمائش جذبۂ ایثار " کے پیچھے یقیناً نجدی حکومت کا " ریال " اور مغربی اقوام کا ڈالر " کارفرما ہے . . . .

اور جب یہ بات ثابت ہوگئی تو اب یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ غیروں کے سرمائے سے جو تحریک پروان چڑھائی جارہی ہے وہ اسلام کا منشا پورا کرے گی یا اپنے آقایان نعمت کا۔

اس تحریک کی پشت پر نجدی حکومت کا ریال ہو یا مغربی اقوام کا ڈالر۔ دونوں کا منشا یہی ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کی تپش باقی نہ رہے۔ خدا اس منحوس گھڑی سے ہماری زندگی کو بچائے جب ہماری رگوں کا اچھلتا ہوا خون ایمان کی گرمی سے محروم ہو کر سرد ہو جائے۔"

(تبلیغی جماعت، حقائق و معلومات کے اجالے میں ص ۱۱۱ - ۱۱۲ مؤلف علامہ ارشد القادری)

(ط) جماعت اہلحدیث کے متعلق مدیر "طوفان" لکھتا ہے

"انگریزوں نے بڑی ہوشیاری اور چالاکی کے ساتھ تحریک نجدیت کا پودا ہندوستان میں بھی کاشت کیا اور پھر اپنے ہاتھ سے ہی پروان چڑھایا۔"

(طوفان ۷، نومبر ۱۹۶۲ء)

(ی) مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو انگریزی سرکار کی طرف سے جاگیر ملی۔

"ہندوستان کی جماعت اہلحدیث . . . . سرکردہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی . . . . نے سرکار انگریزی کی اطاعت کو واجب قرار دیا . . . جہاد کی منسوخی پر ایک رسالہ (الاقتصاد فی مسائل الجہاد) فارسی زبان میں تصنیف فرمایا تھا اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی شائع کرائے تھے۔ معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اس کے معاوضے میں سرکار انگریزی سے انہیں جاگیر بھی ملی تھی۔" (کتاب ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک حاشیہ ص ۲۹ مصنفہ مولوی مسعود عالم ندوی اور وہ اراضی جو گورنمنٹ نے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو عطا کی وہ چار مربعے تھے۔"

(رسالہ اشاعۃ السنۃ ۱۹۰۲ء)

(ک) سید اسماعیل دہلوی انگریز کے جاسوس تھے۔

"اگر سرحدی مسلمانوں نے سید احمد اور اسماعیل دہلوی صاحبان اور ان کے ہمراہیوں کو انگریز کا جاسوس سمجھا تو ظاہر ہے کہ غلط نہیں سمجھا کوئی ایک بات بھی تو اس حقیقت کی تردید نہیں کرتی۔

"جب حضرت شہید بعزم جہاد صوبہ سندھ اور سرحد کے علاقے میں داخل ہوئے (جو اس وقت انگریز عملداری میں نہ تھے) تو ان کے متعلق عام طور سے یہ شبہ کیا گیا کہ یہ انگریزوں کے جاسوس ہیں اور یہ شبہ اس بنا پر کیا گیا کہ حضرت شہید کے تعلقات انگریزوں سے نہایت درجہ خوشگوار تھے (حاشیہ مقالات سرسید حصہ نہم ص ۲۵۱)

خود غلام رسول مہر کو یہ ماننا پڑا ہے کہ سرحد کے علماء نے سید صاحب کو انگریزوں کا جاسوس قرار دیتے ہوئے فتویٰ دیا کہ

"وہ ہمارے اور تمہارے مذہب کے مخالف میں ایک نیا دین انھوں نے نکالا ہے۔ کسی ولی یا بزرگ کو نہیں مانتے سب کو برا کہتے ہیں۔ انگریزوں نے انہیں تمہارے ملک کا حال معلوم کرنے کی غرض سے جاسوس بنا کر بھیجا ہے ان کی باتوں میں نہ آنا عجب نہیں تمہارا ملک چھنوا دیں۔" (سید احمد شہید حصہ دوم از غلام رسول مہر) امتیاز حق ص۷۹ از راجا غلام محمد۔)

(ل) مولوی سمیع اللہ صاحب کو سرکار برطانیہ نے ان کی خدمات کے صلہ میں سی ایم جی کا خطاب دیا۔

مولوی مملوک علی صاحب کے تلامذہ میں مولوی سمیع اللہ صاحب بڑی شہرت کے مالک اور گورنمنٹ کے معتمد علیہ آدمی تھے ان کے متعلق اخبار الاعتصام میں لکھا ہے

"۱۶ ستمبر ۱۸۸۲ء کو مولوی سمیع اللہ مصر میں انگریزوں کے استعمار کو مضبوط کرنے کی غرض سے پولیٹیکل مشن پر مصر گئے اور وہاں انھوں نے جمال الدین افغانی کی

تحریک کو نقصان پہنچایا ان خدمات کے صلہ میں ان کو سی۔ ایم۔ جی کا خطاب ملا۔
(مولانا محمد احسن نانوتوی ص ۱۸۴) (الاعتصام ۲ر اکتوبر ۱۹۷۰ء ص ۶)

(م) ڈاکٹر سر محمد اقبال کے متعلق لکھا ہے

"خود سالک لاہوری کا یہ مصرع ڈاکٹر اقبال صاحب کے متعلق زبان زد ہے کہ
سرکار کی دہلیز پہ "سر" ہو گئے اقبال (سواد اعظم لاہور ۱۸ر نومبر ۱۹۶۲ء)

(ن) مولانا شبلی مرحوم کو انگریزی حکومت نے شمس العلماء کا خطاب دیا۔ اور مسٹر ہونگٹسن کمشنر قسمت میرٹھ نے مولانا کو اپنے ہاتھ سے عمامہ، عبا اور تمغہ حوالہ کیا اور اپنی مختلف علمی و تعلیمی کمیٹیوں میں ان کو ممبر بنایا۔ دربار میں بحیثیت شمس العلماء ان کو کرسی ملتی تھی۔ (خلاصہ حیات شبلی از مولانا سید سلیمان ندوی)

(س) جماعت اسلامی کے متعلق

"چنانچہ اسی وقت سے ہی کمیونزم کے خلاف لٹریچر پیدا کرنا شروع اور امریکی حکومت نے اسے خرید کر گویا "امریکی امداد" کا راستہ کھول دیا اور ملک میں یہ تاثر دن بدن گہرا ہوتا چلا گیا کہ جماعت اسلامی امریکہ سے مالی امداد حاصل کر رہی ہے۔"

(مودودیت منزل بمنزل مرتبہ ابن عجمی ص ۱۰۲)

(ع) جناب شیخ مصطفیٰ المراغی مرحوم کے متعلق

"ابو نصر صاحب نے اپنے خط کے ساتھ "المقتطف" کا پرچہ بھی بھیجا تھا جس میں حضرت علامہ (ڈاکٹر سر محمد اقبال) کی شاعری پر ان کا ایک مختصر سا مضمون درج تھا حضرت علامہ کے ارشاد پر میں نے اس کے بعض حصے پڑھ کر سنائے لیکن ان میں کوئی خاص بات نہیں تھی البتہ قابل ذکر بات جو انھوں نے اپنے مراسلے میں لکھی تھی یہ کہ المراغی انگریزوں کے آدمی

ہیں اور انگریزوں ہی کے اشارہ سے قاہرہ اور بالخصوص ازہر میں اس تحریک کی ابتدا کر رہے ہیں۔"
(اقبال کے حضور نشستیں اور گفتگوئیں جلد اول ص ۲۲۱)

(ف) "سرسکندر بقول مسٹر جناح مسٹر ایمرسن گورنر پنجاب کی پیداوار تھے۔" (تاریخ احرار ص۱۸۹)

(ص) جماعت احرار کے متعلق خواجہ حسن نظامی صاحب رقمطراز ہیں۔

(ل) "میں نے اپنے روزنامچہ میں لکھا تھا کہ یہ مولوی خود سرکاری ہیں اور سرکار سے خفیہ تنخواہیں ان کو ملتی ہیں آج خدا نے میرا بیان سچ کر دکھایا اور احرار اور ان کے مولویوں نے علانیہ سرکار کی حمایت اور مسلمانوں کے خلاف اپنے چہروں کی نقاب الٹ دی اور کھلم کھلا سرکار کی حمایت میں فتویٰ دے دیا۔" (اخبار منادی ۲۶ جولائی ۱۹۳۵ء)

(ب) "جو لوگ اس وقت مسلمانوں کے فرقوں کے خاص طور پر قادیانیوں کے خلاف تقریریں کرتے پھرتے ہیں پاکستان کے دشمن اور بھارت کے ایجنٹ ہیں۔" (آزاد احراری اخبار ۲۱ جون ۱۹۵۰ء)

(ق) ڈاکٹر صابر صاحب ملتانی نے کہا کہ

"ہر ملک کے مقامی مولویوں کو اپنے ساتھ گانٹھ کر ان سے جاسوسی کے کام لئے جاتے ہیں۔ وہاں ولی بنائے جاتے ہیں۔ مزار قائم کئے جاتے ہیں۔ معجزہ دکھانے والے پیر بنائے جاتے ہیں۔"

(اخبار آزاد تشکر نمبر ۳۰ اپریل ۱۹۵۱ء ص ۱۴)

(ر) مولوی شمس الدین صاحب ہزاروی کہتے ہیں

"دوسرا کام (عیسائیوں نے ناقل) یہ کیا کہ مسلمان نام کے چند "خود کاشتہ پودے" تلاش کرکے تیار کئے ۔ ۔ ۔ ۔ چنانچہ ۔ ۔ ۔ ۔ علی گڑھ، چکڑالہ، ربوہ اور "مولوی کا غلط مذہب" "طلوع اسلام" "تجدید احیائے دین اور خلیفہ عبدالحکیم کی "ثقافت اسلامیہ" وغیرہ کو اسی سلسلہ کی کڑیاں سمجھنا چاہیئے۔"

(روزنامہ نوائے پاکستان لاہور ۷ اکتوبر ۱۹۵۶ء ص ۲)

(ش) چوہدری افضل حق صاحب لکھتے ہیں

"سوچ لو پاکستان کی تحریک بھی برطانوی جھانسہ ہی نہ ہو۔" (خطبات احرار ص ۴۲)

باب دوازدہم

اسلامی جہاد

قرآن وسنت کی روشنی میں

قارئین کرام! جیسا کہ آپ گذشتہ اوراق میں پڑھ چکے ہیں کہ کس طرح ۱۶۱۳ء میں سلطان سلیم نورالدین جہانگیر کے زمانے میں برٹش حکومت کی طرف سے صرف ایک انگریز سفیر ہندوستان میں آیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ۱۸۴۹ء تک اپنے مادی وسائل اور ہوشمندی سے انگریز قوم ہندوستان کی مالک بن گئی۔ نہ اسے ہندوستان کی طاقتور حکومت روک سکی نہ ہی اس کے وزیروں کی دانائی اور جرنیلوں کی بہادری۔ نہ علماء کا علم اسے بچاسکا اور نہ ہی صوفیوں کا زُہد اور دعائیں۔ انگریزوں کے پاس تو بڑی طاقت اور سائنسی علوم تھے لیکن مٹھی بھر سکھوں کے غیر منظم گروہ کا ہندوستان کے تمام مسلمان مقابلہ نہ کرسکے اور شکست کھاگئے۔

آج جب انگریز کو گئے ہوئے چالیس برس سے زیادہ عرصہ بیت چکا ہے دنیائے جہان کے مذہبی علماء اور سیاسی مدبّرین کو ان کی لکیر پیٹتے ہوئے جہاں شرمندہ ہو تا

چاہیے تھا اُلٹا اپنی کمزوری کو چھپانے کے لئے ایک دوسرے کے خلاف طعنہ زنی، افترا پردازی اور بہتان تراشی کرکے فخر کر رہے ہیں۔ کوئی بریلویوں کو انگریز کا جاسوس بتلاتا ہے تو کوئی دیوبندیوں کو۔ اگر کوئی تبلیغی جماعت کو انگریزی حکومت کا تنخواہ دار لکھتا ہے تو کوئی اہلحدیث کو کوئی شمس العلماء اور سر کا خطاب پانے والوں کو انگریز کا وفادار سمجھتا ہے تو کوئی حضرت اسماعیل شہید کو انگریز کا جاسوس ٹھہراتا ہے۔ ان کے اس علم کلام سے ہر مسلمان مطمئن نظر آتا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے ان گفتار کے غازیوں کے متعلق کتنا اچھا لکھا ہے ؎

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے گفتار کا یہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا

ان لوگوں کے متعلق جو باتوں کے دھنی ہیں ظفر علی خاں صاحب نے لکھا کہ

ترکوں سے ایک بات میں ہم بھی نہیں ہیں کم ہم بات کے دھنی ہیں وہ تلوار کے دھنی

مسلمانوں میں کوئی ایسا جری اور ہوشمند آدمی نہیں ہے جو ان سیاسی اور مذہبی گفتار کے غازیوں کو کہہ سکے کہ تمہیں سوائے پچھلے لوگوں کو بُرا بھلا کہنے کے اپنے زمانہ کے مسائل کی طرف جن سے قوم اب دوچار ہے کوئی فکر نہیں اور ان مختلف ممالک کے مظلوم مسلمانوں کی جو دوسری اقوام کے مظالم کا تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں کوئی خیال کرتا ہے کہ وہ ان کی دستگیری کریں۔ آج مسلمان آزاد ہیں۔ ان کے پاس حکومتیں ہیں مال و دولت ہے ان پیش آمدہ مسائل کی طرف توجہ کرنے کے بجائے فرسودہ مسائل اور لاطائل بحثوں میں اپنا قیمتی وقت ضائع کر رہے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد حکومت برطانیہ کے متعلق ان مذہبی علماء اور سیاسی مفکرین کو غور و فکر کرنے کا موقع ملا تھا جس میں انھوں نے بڑے سوچ بچار کے بعد فیصلے کئے تھے کہ انگریز کے خلاف جہاد ناجائز بلکہ حرام ہے۔ اور ہندوستان دارالاسلام ہے اور برٹش حکومت کی اطاعت ضروری ہے۔ لیکن آزاد ہو جانے کے بعد انہی مسائل کے متعلق ایک دوسرے کے

خلاف کیچڑ اچھال رہے ہیں اور الزام تراشیاں کر رہے ہیں۔ حالانکہ آپ ان کی تحریرات اور تقاریر اور فتوے پڑھ چکے ہیں انہیں دوہرانے کی ضرورت نہیں۔ ذیل میں انہی فیصلوں کے متعلق لکھا جاتا ہے کہ جو انھوں نے اس زمانہ میں کئے تھے وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں کہاں تک صحیح تھے اور اسلام میں جہاد کا مفہوم کیا ہے اور قرآن و حدیث ان حالات میں مسلمانوں کو کیا حکم دیتے ہیں کیونکہ ایک مسلمان قرآن مجید اور آنحضرت صلعم کی سنت کو اپنے لئے آخری سند تسلیم کرتا ہے۔

جہاد کا مفہوم

جہاد عربی کا لفظ ہے اس کے مفہوم کا تعین عربی لغت، قرآن مجید، احادیث اور فقہا متقدمین رحمہم اللہ کے ارشادات کی روشنی میں ذیل میں واضح کیا جاتا ہے

(۱) جَهَدَ يَجْهَدُ جَهْدًا کے معنی کوشش کرنا اور جُهْدًا کے معنی اَلطَّاقَةُ اَلْمَشَقَّةُ۔ طاقت اور مشقت کے ہیں جِهَادٌ جَاهَدَ کا اسم مصدر ہے اور مفردات راغب نے اس کے معنے یہ لکھے ہیں

اَلْجِهَادُ وَالْمُجَاهَدَةُ اسْتِفْرَاغُ الْوُسْعِ فِيْ مُدَافَعَةِ الْعَدُوِّ وَالْجِهَادُ ثَلَاثَةُ اَضْرُبٍ مُجَاهَدَةُ الْعَدُوِّ الظَّاهِرِ وَمُجَاهَدَةُ الشَّيْطَانِ وَمُجَاهَدَةُ النَّفْسِ (مفردات امام راغب الجیم مع الہاء ص۱۰۱)

دشمن کی مدافعت میں وسعت و طاقت کا لگا دینا اور خرچ کر دینا اور یہ تین قسم ہے

(۱) ظاہری دشمن سے جہاد (۲) شیطان سے جہاد (۳) نفس سے جہاد۔

اور لین کی ڈکشنری میں جہاد کے معنے لکھے ہیں

جِہَاد۔ جَہَدَ کا مصدر ہے اس کے اصل معنی ہیں انسان کا اپنی انتہائی طاقت،

سعی اور کوشش یا قابلیت کو کسی ناگوار امر کے خلاف صرف کرنا اور یہ تین قسم ہے۔ کھلے دشمن کے خلاف۔ شیطان کے خلاف یا اپنے نفس کے خلاف یہ سب مفہوم اس لفظ کے اندر شامل ہیں جیساکہ قرآن میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔

تو معلوم ہوا نفس، شیطان اور دشمن کے برخلاف زور لگانے اور طاقت خرچ کرنے کا نام جہاد ہے۔

(ب) قرآن مجید پڑھنے سے صاف نظر آتا ہے کہ یہ جہاد کا لفظ انسان کے طاقت یا قابلیت صرف کرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے چنانچہ ایک جگہ فرمایا

(۱) وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (۲۹/۶۹) اور جو لوگ ہمارے لئے کوشش کرتے ہیں ہم یقیناً انہیں اپنے رستوں کی رہنمائی کریں گے۔

تو جَاهَدُوْا۔ جہاد یا مجاہدہ سے مشتق ہے۔ یہاں جہاد کے معنی خدا کا قرب حاصل کرنے کے لئے روحانی جدوجہد کرنا ہے۔

(۲) وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ (۲۹/۶) اور جو کوئی کوشش کرتا ہے وہ اپنے نفس کے لئے کوشش کرتا ہے۔

تو اس آیت میں جہاد سے مراد اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوشش کرنا ہے خواہ اپنے تزکیہ کے لئے ہو خواہ دوسرے لوگوں کو حق کی طرف بلانے کے لئے۔

(۳) وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (۲۹/۸) اور ہم نے انسانوں کو اپنے ماں باپ سے نیکی کرنے کا تاکیدی حکم دیا ہے اور اگر وہ تجھ سے تکرار کریں کہ تو میرے ساتھ دوسروں کو شریک کرے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کی بات نہ مان۔

اسس آیت میں جَاھَدَ کا لفظ لفظی بحث مباحثہ یا تکرار کرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

(۴) وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (۲۲/۷۸) اور اللہ کی راہ میں کوشش کرو جو کوشش کا حق ہے۔

(۵) فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (۲۵/۵۲) پس کافروں کی بات نہ مان اور اسس قرآن کے ذریعہ ان کے ساتھ جہاد کر جو بڑا جہاد ہے۔

ان دونوں آیات میں صاف لفظوں میں جہاد کرنے کا حکم پایا جاتا ہے لیکن پہلی آیت میں خدا تعالیٰ سے قرب حاصل کرنے کے لئے جہاد ہے اور دوسری آیت میں وہ جہاد ہے جو منکرین اسلام کے خلاف کیا جاتا ہے لیکن یہ تلوار کا جہاد نہیں بلکہ قرآن مجید کے ذریعہ جہاد ہے۔ اسے جہاد کبیر کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور یہ ہر وقت قائم رہتا ہے۔

(ج) قرآن مجید نے جہاد کی ضد اور اسس کے مقابل قعُود کا لفظ استعمال کرکے اسس کے صحیح معنے کو واضح کر دیا ہے لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ (۴/۹۵) مومنوں میں سے وہ بیٹھ رہنے والے لوگ جن کو کوئی دکھ نہیں اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والے برابر نہیں۔ اس آیت میں قَاعِدُوْنَ کے معنے بیٹھ رہنے والے سستی کرنے والے ہیں۔ اسس کے مقابل مُجَاهِدُوْنَ کے معنے حصول مقاصد کے لئے پوری پوری کوشش کرنے والے خواہ اس میں جان بھی کیوں نہ دینی پڑے۔

(د) باوجود اسس کے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ میں جہاد کرنے کا حکم مل چکا تھا لیکن آپ نے اسس تیرہ سالہ زندگی میں باوجود نہایت تکلیف اور دکھ اٹھانے کے تلوار نہیں اٹھائی۔ ہاں آپ نے ان احکامات خداوندی کی تعمیل میں

بڑا جہاد کیا اسلام کی اشاعت کے لئے بہت جد و جہد کی۔ لیکن اتنے طویل عرصہ میں بڑی بڑی اذیتیں اُٹھانے پر بھی تلوار نہیں اٹھائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو جب سخت دُکھ دیئے گئے اور انہیں اذیتیں پہنچائی گئیں تو صحابہؓ نے عرض کیا ہم میں بھی خون ہے ہم بھی طاقت رکھتے ہیں ہمیں جنگ کی اجازت دی جائے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

اُمِرْتُ بِالْعَفْوِ فَلَا تُقَاتِلُوْا (سنن نسائی کتاب الجہاد ص ۲۹۵۔ (جلد ثانی) مجھے معاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس واسطے مت لڑو۔

مسلمان ہجرت کر کے مدینہ جاتے ہیں اپنا گھر بار چھوڑ کر وہاں جاکر پناہ لیتے ہیں وہاں بھی ان کو امن سے نہیں رہنے دیا جاتا مکہ کے کفار مدینہ کے سردار عبداللہ بن اُبَیّ بن سلول کو تھدید آمیز خط لکھتے ہیں اِنَّکُمْ اٰوَیْتُمْ صَاحِبَنَا وَاِنَّا نُقْسِمُ بِاللّٰہِ لَتُقَاتِلُنَّہٗ اَوْلَتُخْرِجُنَّہٗ اَوْ لَنَسِیْرَنَّ اِلَیْکُمْ بِاَجْمَعِنَا حَتّٰی نَقْتُلَ مُقَاتِلَتَکُمْ وَنَسْتَبِحَ نِسَائَکُمْ (سنن ابی داؤد باب فِی خَبَرِ النَّضِیْرِ جلد دوم ص ۴۹۵) اے مدینہ والو تم نے ہمارے مدّمقابل کو پناہ دی ہے اور ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ تم اس کو لڑائی کرکے قتل کر دو یا شہر سے نکال دو یا پھر ہم سب کے سب تمہارے لڑنے والے مَردوں کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کو مُباح بنا کر لے آویں گے۔

اس خط پر بھی کفار مکہ صبر نہیں کرتے انہیں مسلمانوں کا مدینہ میں رہنا بھی دوبھر گذرتا ہے اور وہ تہیّہ کر چکے ہیں کہ مسلمانوں اور ان کے دین کو صفحۂ ہستی سے اپنی طاقت اور تلوار سے مٹا دیں گے۔ چنانچہ وہ مدینہ پر چڑھائی کرنے جاتے ہیں تاکہ مسلمانوں اور اسلام کو تباہ کر دیں۔ تب خدا تعالیٰ مسلمانوں کو جہاد بالسیف کی اجازت دیتا ہے کہ اس وقت بھی مقابلہ نہ کرنا خودکشی کے مترادف ہے اس واسطے تمہیں اجازت

دی جاتی ہے کہ تم تلوار کا مقابلہ تلوار سے کرو چنانچہ ۱۲ صفر ۲ھ کو یہ آیت نازل ہوتی ہے۔
اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ (۲۲: ۳۹-۴۰) ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ وہ جو اپنے گھروں سے بغیر کسی صحیح وجہ کے نکالے گئے سوائے اس کے کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے نہ ہٹاتا رہتا تو یقیناً راہبوں کی کوٹھریاں اور گرجے اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے گرادی جاتیں اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اسی (کے دین) کی مدد کرتا ہے یقیناً اللہ طاقتور غالب ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جہاد بالسیف کی اجازت دیتے ہوئے چار وجوہ بیان کی ہیں۔

۱۔ ابتدا کفار کی طرف سے ہو جیساکہ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

۲۔ کفار کا ظلم انتہا کو پہنچ چکا ہو کہ مسلمان پر خودکشی کا عالم ہو جیساکہ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا کے الفاظ بتا رہے ہیں۔

۳۔ کفار کی غرض اسلام اور مسلمین کو تلوار کے ذریعہ نیست و نابود کرنا ہو جیساکہ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ کے الفاظ بتا رہے ہیں۔

۴ ۔ مسلمانوں کی غرض لڑائی سے خود حفاظتی اور دفاع ہو جیساکہ لَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ کے الفاظ بتا رہے ہیں ۔

دوسری آیت میں ہے۔ وَقَاتِلُوْا فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ فَلَا تَعْتَدُوْا (پ۲ ع۱۹) اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو ۔

غرض قرآن شریف میں کسی قوم کو جب قِتال یا جہاد بالسیف کی اجازت دی جاتی ہے تو وہ انہی شرائط کے ماتحت ہے اس کے بغیر نہیں ۔ قرآن مجید میں تین الفاظ ہیں جہاد ، قِتال ، حَرْب ۔ ان میں سب سے زیادہ وُسعت جہاد کے مفہوم میں پائی جاتی ہے ۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لفظ جہاد کو انہی وسیع معنوں میں استعمال فرمایا ہے جیساکہ احادیث ہے ۔

۱ ۔ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاھِدُوا الْمُشْرِکِیْنَ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ وَاَلْسِنَتِکُمْ رواہُ ابُوداوٗدَ وَالنَّسَائِیُ والدَّارِمِیُّ ۔

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الجہاد)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکین سے اپنے مالوں اور اپنی جانوں اور اپنی زبانوں سے جہاد کرو ۔

۲ ۔ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ حُبْشِیٍّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فَاَیُّ الْجِھَادِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ جَاھَدَ الْمُشْرِکِیْنَ بِمَالِہٖ وَنَفْسِہٖ ۔

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الجہاد فصل الثانی)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا . . . کونسا جہاد بہتر ہے فرمایا جو مشرکوں سے اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرے ۔

۳ ۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَدِمَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَوْمٌ غُزَاتٌ فَقَالَ قَدِمْتُمْ خَیْرَ مَقْدَمٍ مِنَ الْجِھَادِ الْاَصْغَرِ اِلَی الْجِھَادِ الْاَکْبَرِ قِیْلَ وَمَا الْجِھَادُ الْاَکْبَرُ وَقَالَ مُجَاھَدَۃُ الْعَبْدِ ھَوَاہُ ۔ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ (التشرف حصہ اول ص ۱۰) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلعم کی خدمت میں ایک غازیوں کی جماعت آئی آپ نے انہیں خوش آمدید کہا کہ تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف آئے ہو انھوں نے عرض کیا کہ جہاد اکبر کیا ہے آپ نے فرمایا بندہ کا اپنی خواہشات سے مجاہدہ کرنا ۔

۴ ۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْجِھَادِ مَنْ قَالَ کَلِمَۃَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدُ وَابْنُ مَاجَۃَ (مشکوٰۃ المصابیح کتاب الامارۃ والقضاء فصل الثانی ص)

حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا سب سے بڑا جہاد سلطان جابر کے سامنے سچی بات کہنا ہے ۔

۵ ۔ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَاھِدُوْا اَھْوَائَکُمْ کَمَا تُجَاھِدُوْنَ اَعْدَائَکُمْ (مفردات ص ۱۰۰)

حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا تم اپنی خواہشات کے خلاف اس طرح جہاد کرو جس طرح تم اپنے دشمنوں سے جہاد کرتے ہو ۔

۶ ۔ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَاھِدُوا الْکُفَّارَ بِاَیْدِیْکُمْ وَاَلْسِنَتِکُمْ

(مفردات ص ۱۰۰)

حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا کفار کے خلاف اپنے ہاتھوں اور زبانوں سے جہاد کرو۔

۷ ۔ اَلْجِهَادُ اَرْبَعٌ اَلْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالصِّدْقُ مَوَاطِنُ الصَّبْرِ وَشَنَآنُ الْفَاسِقِ رَوَاهُ اَبُوْ نُعَيْم ۔ جہاد چار چیزیں ہیں اچھی باتوں کا حکم کرنا۔ بری باتوں سے منع کرنا صبر اور آزمائش کے موقع پر سچ بولنا اور فاسقوں سے عداوت رکھنا۔

۸ ۔ قَالَ اَفْضَلُ الْجِهَادِ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ (بخاری کتاب المناسک جلد ص)
فرمایا بہتر جہاد حج مبرور ہے۔

۹ ۔ اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِیْ طَاعَةِ اللّٰہِ ( ) حقیقی مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس سے کشمکش کرے۔

توان احادیث سے واضح ہوگیا کہ جہاد کے معنی اپنی وسعت بھر کوشش کرنے کے ہیں خواہ بالمال ہو یا بِالنَّفْس۔ بِالّسان ہو یا بِالْیَد۔ بِالْاَھْوَا ہو یا بِالْاَعْدَا۔ اس سے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہو یا قرآن مجید کی اشاعت کرنا۔ اگر اس کا حصر کیا جائے تو قرآن مجید اور حضرت نبی کریم صلعم کی احادیث میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ تین قسم ہے (۱) جہاد کبیر (۲) جہاد اکبر (۳) جہاد صغیر۔ پہلے دونوں جہاد ہر وقت جاری وساری ہیں لیکن جہاد صغیر یا جہاد بالسیف مشروط بشرائط ہے۔

احادیث کی تمام کتابوں میں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارہ میں نہایت وضاحت سے کام لیا ہے اِعْتِصَام بالکتاب والسُّنَّۃ کے دسویں باب کا عنوان یہ ہے۔

بَابُ قَولِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ طَائِفَۃٌ مِنْ اُمَّتِیْ ظَاھِرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ وَھُمْ اَھْلُ الْعِلْمِ۔ حضرت نبی کریم صلعم کا قول کہ میری امت میں سے ایک گروہ حق پر ہمیشہ غالب رہنے والا ہوگا اور وہ اہل علم ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام کا غلبہ برنگ دلائل ہمیشہ رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا گو ملکی رنگ میں وہ کبھی مغلوب بھی ہو جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاری کا مذہب یہی ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم کی امت کا غالب رہنے والا گروہ اہل علم کا گروہ ہے جو صداقت کی اشاعت کرتے اور تبلیغ اسلام میں مصروف رہتے ہیں کتاب الجہاد میں بخاری کے کئی ابواب ایسے ہیں جن میں محض دعوت الی الاسلام کا ہی ذکر ہے۔ مثلاً کتابُ الجِهادِ وَالسِّیَرِ باب ۹۹ کا عنوان ہے "هَلْ یُرْشِدُ الْمُسْلِمُ اَهْلَ الْکِتَابِ اَوْ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ" کیا مسلمان اہل کتاب کو ایک صحیح مسلک کی طرف رہنمائی کرسکتا ہے یا ان کو الکتاب کی تعلیم دے سکتا ہے باب ۱۰۰ کا عنوان ہے۔ بَابُ الدُّعَاءِ لِلْمُشْرِکِیْنَ بِالْهُدٰی لِیَتَأَلَّفَهُمْ۔ مشرکین کی ہدایت کے لئے دعا کرنا تاکہ ان سے دوستی کے تعلقات بڑھائے جائیں۔

باب ۱۰۲ کا عنوان ہے۔ بَابُ دُعَاءِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْاِسْلَامِ وَالنُّبُوَّۃِ وَاَنْ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکین کو دعوت دینا اور یہ کہ وہ اللہ کے سوائے کسی اور کو معبود نہ بنائیں۔

باب ۱۴۳ کا عنوان ہے۔ بَابُ فَضْلِ مَنْ اَسْلَمَ عَلٰی یَدَیْهِ رَجُلٌ۔ اس کی فضیلت جس کے ہاتھ پر کوئی مسلمان ہو۔

باب ۱۴۵ کا عنوان ہے۔ بَابُ فَضْلِ مَنْ اَسْلَمَ مِنْ اَهْلِ الْکِتَابَیْنِ

جو یہود و نصاریٰ میں سے مسلمان ہو جائے اس کی فضیلت۔
باب ۱۷۸ کا عنوان ہے۔ بَابٌ کَیْفَ یُعْرَضُ الْاِسْلَامُ عَلَی الصَّبِیِّ۔
بچے کے سامنے اسلام کس طرح پیش کیا جائے۔

صحیح بخاری میں کتَابُ الْجِهَادِ وَالسِّیَرِ کے اس طرح کے عنوانات کا ہونا ظاہر کرتا ہے کہ امام بخاری کے زمانہ تک جہاد کا مفہوم انہی وسیع معنوں میں تھا جن معنوں میں قرآن مجید میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ بخاری ہی میں یہ بھی ہے کہ

عَنْ نَافِعٍ اَنَّ رَجُلًا اَتَی ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ یَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مَا حَمَلَكَ عَلٰی اَنْ تَحُجَّ عَامًا وَتَعْتَمِرَ عَامًا وَتَتْرُكَ الْجِهَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ عَلِمْتَ مَا رَغَّبَ اللّٰهُ فِیْهِ قَالَ یَا ابْنَ اَخِیْ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ اِیْمَانٍ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالصَّلٰوةِ الْخَمْسِ وَصِیَامِ رَمَضَانَ وَاَدَاءِ الزَّكٰوةِ وَحَجِّ الْبَیْتِ قَالَ یَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَلَا تَسْمَعُ مَا ذَكَرَ اللّٰهُ فِیْ كِتَابِهٖ وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا اِلٰی اَمْرِ اللّٰهِ۔ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ قَالَ فَعَلْنَا عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ الْاِسْلَامُ قَلِیْلًا فَكَانَ الرَّجُلُ یُفْتَنُ فِیْ دِیْنِهٖ اِمَّا قَتَلُوْهُ وَاِمَّا یُعَذِّبُوْهُ حَتّٰی كَثُرَ الْاِسْلَامُ فَلَمْ تَكُنْ فِتْنَةٌ (بخاری کتاب التفسیر باب قولہ تعالیٰ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ جلد دوم ص ۶۲۶)

نافع سے روایت ہے کہ ایک شخص ابن عمر کے پاس آیا اور کہا اے ابوعبدالرحمٰن

کس بات نے آپ کو اس پر آمادہ کیا ہے کہ آپ ایک سال حج کرتے ہیں اور ایک سال عمرہ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کو چھوڑتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں جو ترغیب اللہ نے اس کی طرف دلائی ہے اس نے کہا میرے بھتیجے اسلام کی بنا پانچ چیزوں پر ہے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا پانچ نمازیں رمضان کے روزے زکوٰۃ کا دینا بیت اللہ کا حج کرنا۔ کہا اے ابو عبدالرحمٰن آپ وہ نہیں سنتے جو اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ اگر مومنوں کے دو گروہ جنگ کریں تو ان کے درمیان صلح کرو اَمرُ اللہ تک۔ ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے۔ ابن عمر نے کہا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسی طرح کیا اور اہل اسلام تھوڑے تھے تو ایک شخص کو اپنے دین کے بارے میں دکھ دیا جاتا تھا یا اس کو قتل کر دیتے تھے یا اسے تکلیف دیتے تھے یہاں تک کہ اہل اسلام زیادہ ہو گئے اور فتنہ نہ رہا۔

یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب حجاج نے حضرت عبداللہ ابن زبیر پر حملہ کر کے مکہ معظمہ کا محاصرہ کر لیا تو اس جنگ میں عبداللہ ابن عمر کسی فریق کے ساتھ شامل نہ ہوئے۔ تو کسی شخص نے آپ سے سوال کیا کہ تم اس جنگ میں کیوں حصہ نہیں لیتے تو انہوں نے جواب دیا کہ جنگ اس وقت ضروری تھی جب مسلمان تھوڑے تھے اسلام خطرہ میں تھا اور مسلمانوں کو دین کی خاطر دکھ دیئے جاتے تھے لیکن آج تو کوئی فتنہ نہیں ہے اور دین اللہ کے لئے ہو گیا ہے اور ہمیں غیر مسلموں کی طرف سے کسی قسم کا خطرہ نہیں حالانکہ واقعات کی شہادت موجود ہے کہ یہودی اور عیسائی تو اس وقت بھی موجود تھے مگر ان کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کو کوئی خطرہ نہیں رہا تھا اسلئے حضرت عبداللہ ابن عمر نے کہا کہ آج ہم پر جہاد بالسیف فرض نہیں ہے۔

اسی طرح جو بہت بڑے مفسر ہیں انھوں نے بھی جہاد کا وسیع مفہوم لیا ہے

جیساکہ علامہ فخرالدین رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں وَاَمَّا قَوْلُهٗ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيرًا۔ فَقَالَ بَعْضُهُمُ الْمُرَادُ بَذْلُ الْجُهْدِ فِي الْاَدَاءِ وَالدُّعَاءِ وَقَالَ بَعْضُهُمُ الْمُرَادُ الْقِتَالُ وَقَالَ آخَرُوْنَ كِلَاهُمَا وَالْاَقْرَبُ الْاَوَّلُ لِاَنَّ السُّوْرَةَ مَكِّيَّةٌ وَالْاَمْرُ بِالْقِتَالِ وَرَدَ بَعْدَ الْهِجْرَةِ بِزَمَانٍ (تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۳۳۰) بعض لوگ اس آیت کے یہ معنے لیتے ہیں۔ وعظ کرنے میں کوشش کرو۔ لیکن بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کے معنے جنگ اور لڑائی کے ہیں اور بعض دونوں معنے لیتے ہیں لیکن سب سے پہلے معنے صحیح تر ہیں کیونکہ یہ سورۃ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی تھی۔ اور جنگ کرنے کا حکم ہجرت ہونے کے بعد دیا گیا تفسیر رُوح البیان میں حدیث اِنَّ اَفْضَلَ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے وَاِنَّمَا كَانَتْ اَفْضَلُ لِاَنَّ الْجِهَادَ بِالْحُجَّةِ وَالْبُرْهَانِ جِهَادٌ اَكْبَرُ بِخِلَافِ الْجِهَادِ بِالسَّيْفِ وَالسِّنَانِ فَاِنَّهٗ جِهَادٌ اَصْغَرُ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاد اکبر ظالم بادشاہ کو تبلیغ حق کرنا ہے یہ سب سے بڑا جہاد اس واسطے ہے کہ حجت و برہان کے ساتھ جہاد کرنا۔ سیف و سنان کے جہاد سے افضل ہے اور سیف و سنان کا جہاد اصغر ہے۔

فی سبیل اللہ کے معنے

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ فَمَنْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا۔ اللہ کی راہ میں جنگ کرنے والا کون ہے فرمایا جو اس لئے جنگ کرے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو۔

عقیل و فہیم علماء نے ہر زمانہ میں جہاد کے لفظ کو صرف جنگ کے معنوں میں

ہی محدود نہیں کیا بلکہ اس کا وہی وسیع مفہوم مراد لیا ہے جو قرآن مجید نے بتلایا ہے۔ اور موجودہ دور میں بھی ایسے جید علماء ہوئے ہیں جنھوں نے اس کا یہی وسیع مفہوم مراد لیا ہے۔ جیساکہ

۱ ۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے لکھا ہے

" ہمارے بعض مسلمان بھائی اس خیال میں ہیں کہ یہ ادبار جو اہل اسلام پر چھایا ہوا ہے بجز سیف اٹھ نہیں سکتا۔ دنیاوی علوم پڑھنے پڑھانے سے ہوتا ہی کیا ہے مگر مسلمانوں کی موجودہ حالت کی طرف نظر کرنے سے ان کا یہ خیال سودائے محال نظر آتا ہے۔ بھائیو اب سیف کا وقت نہیں رہا اب تو بجائے سیف قلم ہی سے کام لینا ضروری ہوگیا ہے مسلمانوں کے ہاتھ میں سیف کا آنا کیونکر ممکن ہے جبکہ ان کا ہاتھ ہی ندارد ہے ہاتھ کس کے لئے ہو ان میں قومی تشخص اور وجود ہی نہیں . . . ۔ ان کی ایسی آزادی اور نازک حالت میں ان کو ایک قوم سمجھنا . . . ۔ شیخ چلی کے خیالات افعال سے بڑھ کر نہیں ہے (اشاعۃ السنۃ جلد ۶ نمبر ۱۲ ر دسمبر ۱۸۸۳ء ص ۳۶۴)

۲ ۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے متعلق لکھا ہے

" اس وقت ضرورت بھی اس امر کی تھی جبکہ جہاد بالسیف کو ہمارے علماء کرام بغاوت و سرکشی اور حرام کہہ چکے تھے اور دشمنان اسلام کی طرف سے جنگ بالقلم ہو رہا تھا تو اب ضرورت بھی جہاد بالقلم ہی کی تھی۔" (رسالہ ایمان سوہدرہ ۱۹۴۸ء)

۳ ۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں

" زبان اور قلم کے زور سے لوگوں کے نقطہ نظر کو بدلنا اور ان کے اندر ذہنی انقلاب پیدا کرنا بھی جہاد ہے اور اس راہ میں مال صرف کرنا اور جسم سے دوڑ دھوپ

کرنا بھی جہاد ہے۔" (تفہیمات اول ص ۶۹)

۴ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم نے دوران تقریر کہا

"اسلام غالب ہو کر رہے گا (کسی نے اس پر اعتراض کیا کہ انگریزوں کی غلامی میں رہ کر غالب ہو کر رہے گا اس کے جواب میں سر اقبال نے کہا) آپ کو معلوم نہیں آج تاتاریوں کی مثال زندہ ہو رہی ہے۔ وہی قوم جس کے ہم محکوم ہیں خود مسلمان ہو جائے گی جس کا ایک زندہ ثبوت لارڈ ہیڈلے ہم میں موجود ہیں۔ اسلام کی قوتیں محدود نہیں ہیں۔ ایک وقت تلوار کا تھا آج قلم کا زمانہ ہے (چیئرز) یہ اندر سے بھی گھستا ہے اور باہر سے بھی اور ہر طرح سے اپنے آپ کو منوا کر رہتا ہے۔"

(اخبار پیغام صلح ۴ جنوری ۱۹۲۸ء)

۵ ۔ مولوی احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند نے سہارنپور میں اپنی تقریر کے دوران کہا۔

" بھائی صاحب! معاف کرنا یہ مولوی تو ایک ہی چیز جانتے ہیں یا تو جہاد کریں گے نہیں تو ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں گے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ یہ جذبہ تو قابل تعریف ہے لیکن تجربہ کے خلاف ہے ۱۸۵۷ء میں تم جہاد کر کے دیکھ چکے ہو جب اس وقت کامیاب نہیں ہوئے تو اب کیا توقع ہے۔ تم کو اگر جہاد کا شوق ہے تو کر کے دیکھ لو مجھے تمہارے اس عقیدے پر کوئی اعتراض نہیں لیکن کامیاب نہیں ہو گے اور یہ بات میری سمجھ سے باہر ہے کہ یا تو جہاد کرو گے ورنہ کچھ بھی نہیں کرو گے۔ میاں ہر زمانہ کا جہاد الگ الگ ہوتا ہے مکہ میں مدافعت کا طریقہ کچھ اور تھا اور مدینہ میں کچھ اور تھا۔ تم سول نافرمانی کے وقت نیت جہاد ہی کر لیا کرو تم کو انشاء اللہ اسی کا ثواب

مل جایا کرے گا۔" (الجمعیۃ ۲۸ راگست ۱۹۳۱ء ص ۲۔ کالم ۱)

۶۔ مولوی خیرالدین صاحب جو حضرت شاہ اسماعیل شہید کے مشیر خاص تھے فرماتے ہیں۔

"لفظ جہاد کے معنی ہیں سعی کرنا۔ کوشش کرنا سو حسب طاقت اور حوصلہ خود واسطے اعلاء کلمۃ اللہ اور اطفاء نائرہ ادیان باطلہ اور ذلت کفار کوشش کرتے رہنا جہاد ہے۔" (سوانح احمدی ص ۱۲۰)

۷۔ مولوی ظفر علی خاں صاحب نے لکھا

"پھر جس طرح جہاد یہی نہیں کہ انسان تلوار اٹھا کر میدان جنگ میں نکل کھڑا ہو بلکہ یہ بھی ہے کہ تقریر و تحریر۔ سفر و حضر ہر طرح سے جدوجہد کرے بالکل اسی طرح شہادت بھی یہ نہیں کہ گلہ کٹوا کر زمین کو اپنے خون سے لالہ زار بنا دے بلکہ یہ بھی ہے کہ خدا کے لئے اسلامی تعلیمات کے مطابق کسی نیک اور مقدس مقصد کے لئے انسان اپنی راحت و نشاط۔ اپنا عیش و آرام اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کو قربان کر دے۔" (اخبار زمیندار لاہور ۱۴ رجون ۱۹۳۶ء)

۸۔ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے کہا

"سیاسی جماعتوں کو زندہ رکھنا ایک مذہبی فریضہ ہے ہندوستان میں فوجوں اور ہتھیار سے جہاد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہاں پر یہی جہاد ہے کہ بے خوف ہو کر حق کی بات کہی جائے اور اس کے راستہ میں جو تکلیف آئے اسے خوشی کے ساتھ برداشت کیا جائے میرے نزدیک ایک والنٹر کی امداد ایک سیاسی جماعت کو منظم کرنا ہندوستان میں حقیقی جہاد ہے۔" (پیغام صلح ۱۱ راپریل ۱۹۳۴ء ص ۲)

۹ ۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں

" جہاد کی حقیقت کی نسبت سخت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں ۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جہاد کے معنے صرف لڑنے کے ہیں ۔ مخالفین اسلام بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہوئے حالانکہ ایسا سمجھنا اس عظیم الشان مقدس حکم کی عملی وسعت کو بالکل محدود کرنا ہے ۔ جہاد کے معنی کمال درجہ کوشش کرنے کے ہیں قرآن و سنت کی اصطلاح میں اس کمال درجہ سعی کو جو ذاتی اغراض کی جگہ حق پرستی اور سچائی کی راہ میں کی جائے ۔ جہاد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے ۔ یہ سعی زبان سے بھی ہے مال سے بھی ہے انفاقِ وقت و عمر سے بھی ہے محنت و تکالیف برداشت کرنے سے بھی اور دشمنوں کے مقابلے میں لڑنے اور خون بہانے سے بھی ہے ۔" (مسئلہ خلافت ص ۱۴۷)

۱۰ ۔ ہفت روزہ اخبار " دعوت " جو اہل سنت جماعت کا مشہور ترجمان ہے لکھا ہے ۔

" مذاہب عالم میں یہ امر صرف دنیائے اسلام کے ساتھ مخصوص ہے کہ وہ کسی حالت اور کسی صورت میں بھی ادیان باطلہ سے تعرض نہیں کرتا یہ اپنے تبلیغی ذرائع " اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ " سے آگے بڑھنے نہیں دیتا . . . . جہاد جُہد سے مشتق ہے اور اس کے لغوی معنی کوشش اور سعی کے ہیں مگر اصطلاحی طور پر یہ اعلائے کلمۃ اللہ، اسلام کی سربلندی اور سرفرازی اور کامیابی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔" (ہفت روزہ " دعوت " ۱۳ نومبر ۱۹۶۰ء)

۱۱ ۔ روزنامہ " امروز " لاہور نے لکھا ہے

" انسانی تاریخ اس حقیقت کی سب سے بڑی گواہ ہے کہ کسی نظریہ کی تبلیغ

میں قوت کا استعمال نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتا۔ اگر کہیں قوت اور طاقت کے بل پر کسی طرح زندگی کو رواج دینے کی کوشش کامیاب بھی ہوئی تو اس کا اثر دیرپا ثابت نہیں ہوا۔ جن بزرگوں نے لوگوں کے دلوں کو مسخر کرنے کی کوشش کی اور اپنے کردار سے عملاً ثابت کیا کہ وہ جن اصولوں پر عمل پیرا ہیں وہی انسان کے نجات کے امین ہیں۔ انہیں اپنے مقاصد کی تکمیل میں زبردست کامیابی حاصل ہوئی برصغیر میں اسلام کی شمع روشن کرنے اور لوگوں کے دلوں کو نور اسلام سے منور کرنے والوں میں صوفیا اور مشائخ کا سب سے زیادہ حصہ ہے۔ ان بزرگوں نے نہ تو اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے جبر سے کام لیا اور نہ ان کے پاس وسائل تھے خود رسول اللہ ؐ کی زندگی اس امر کی شاہد ہے کہ انھوں نے بگڑے ہوئے تباہ حال معاشرے کی اصلاح کے لئے تحمل، بردباری، انکساری اور عجز سے کام لے کر اس کی کایا پلٹ دی۔" (روزنامہ امروز لاہور ۹ نومبر ۱۹۶۴ء)

۱۲۔ شاہ فیصل کا اعلان

" انکم ایھا الاخوۃ الکرام مدعوون لترفعوا علم الجھاد فی سبیل اللہ ولیس الجھاد ھو فقط حمل البندقہ او تجرید السیف وانما الجھاد ھو الدعوۃ إلی کتاب اللہ وسنۃ رسولہ والتمسک بھا والمثابرۃ علی ذالک مھما اعترضنا المشاکل والمصاعب او المتاعب۔" (ام القریٰ مکۃ معظمۃ ۲۴ اپریل ۱۹۶۵ء)

اے معزز بھائیو! تم سب کو جہاد فی سبیل اللہ کا علم بلند کرنے کے لئے بلایا گیا ہے۔ جہاد صرف بندوق اٹھانے یا تلوار بے نیام کرنے کا نام نہیں بلکہ جہاد تو اللہ کی کتاب اور رسول مقبول ؐ کی سنت کی طرف دعوت دینے ان پر عمل پیرا ہونے

اور ہر قسم کی مشکلات، دِقتوں اور تکالیف کے باوجود استقلال سے ان پر قائم رہنے کا نام ہے"

۱۳ ۔ مولوی زاہد الحسینی صاحب لکھتے ہیں

"یہ جہاد بالقلم کا دَور ہے آج قلم کا فتنہ بڑا پھیل گیا ہے آج قلم کے ساتھ جہاد کرنے والا سب سے بڑا مجاہد ہے۔"

(ماہنامہ خدام الدین لاہور یکم اکتوبر ۱۹۶۵ء)

۱۴ ۔ علامہ عبد الحق حقانی صاحب لکھتے ہیں

"اس زمانہ میں ملحدین کے ساتھ بحث و مناظرہ کرنا بھی جہاد ہے۔"

(تفسیر حقانی جلد چہارم ص ۴۲ ۔ زیر آیت یا ایھا النبی جاھد الکفار)

۱۵ ۔ الشیخ محمد امین الشہیر با بن عابدین لکھتے ہیں۔

ھٰذا عامٌ یشمل المجاھد بکل امرٍ معروفٍ ونہیٍ عن منکر

(رد المختار جلد ۳ ص ۲۳۶)

۱۶ ۔ علامہ قسطلانی رح

"اپنے نفس اور شیطان سے جہاد کرنے کو" اعظم الجہاد "قرار دیتے ہیں۔

(ارشاد الساری فی شرح البخاری جلد ۵ ص ۳۷)

۱۷ ۔ مولوی حیدر زمان صدیقی لکھتے ہیں

"اسی طرح احادیث میں جابر حکمران کے آگے کلمۂ حق بلند کرنے کو اعظم جہاد کہا گیا ہے اِنَّ مِنْ اَعْظَمِ الْجِھَادِ کَلِمَۃَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ (رواہ ابوداؤد والترمذی) . . . پس اشاعت علوم دینیہ و قیام مدارس دینیہ اور ہر وہ کام جو اقامت دین کی غرض سے کیا جائے جہاد کی حقیقت میں شامل ہے۔"

(اسلام کا نظریہ جہاد ص ۱۲۸ کتاب منزل لاہور)

۱۸ ۔ غلام احمد پرویز صاحب لکھتے ہیں ۔

" جہاد کے معنے ہیں محنت اور کوشش (جدوجہد) قرآن نے اس کے مقابل قُعُوْد (بیٹھے رہنے) کا لفظ استعمال کرکے اس کے صحیح معانی کو واضح کر دیا ہے۔ لَایَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ الخ مسلمانوں میں سے جو لوگ معذور ہیں اور بیٹھے رہے ہیں (جہاد میں شریک نہیں ہوئے تو وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہوسکتے جو اپنے مال سے اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں اللہ نے مال و جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھے رہنے والوں پر باعتبار درجہ کے فضیلت دی ہے (کہ ان کے اعمال دوسرے لوگوں کے اعمال سے فائق نہیں) اور (یوں تو) خدا کا وعدۂ نیک سب کے لئے ہے (کسی مومن کا عمل نیک ضائع نہیں ہوسکتا لیکن درجہ کے اعتبار سے برابر نہیں) اور (اسی لئے) بیٹھے رہنے والوں کے مقابلہ میں جہاد کرنے والوں کو اجر عظیم میں بھی اللہ نے فضیلت عطا فرمائی ہے ($\frac{۴}{۹۵}$) لہذا اس کے معنے عمل کے ہوئے تو ان کو شروع سے لے کر آخیر تک دیکھئے ہر جگہ ایمان و عمل کی تاکید نظر آئے گی ایمان سے مقصود ہے تعین و مقصد اور عمل سے مقصد ہے اس مقصد کے حصول کے لئے جدوجہد یہ ہے مومن کا جہاد ۔ جس میں چھوٹی سے چھوٹی حرکت سے لے کر بڑی بڑی قربانی تک سب شامل ہے اسی سعی و کاوش میں آخری مرحلہ وہ ہے جہاں انسان اپنی جان جیسی متاع عزیز ہتھیلی پر رکھ کر باطل کے مقابلہ میں صف آرا ہو جاتا ہے "

(معارف القرآن جلد ۴ ص ۴۸۹)

جہاد اور قتال

اب صرف ایک شبہ کا ازالہ کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ اکثر لوگ اپنی غلط فہمی کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ جہاد اور قتال دونوں ہم معنے الفاظ ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے قرآن مجید میں یہ دونوں لفظ الگ الگ معنوں میں استعمال ہوئے ہیں اس لئے "جہاد فی سبیل اللہ" یعنی خدا کی راہ میں جہاد کرنا اور "قتال فی سبیل اللہ" یعنی خدا کی راہ میں جنگ کرنا۔ ان دونوں لفظوں کے ایک معنے نہیں ہے جیسا کہ علماء کرام نے ان دونوں کا فرق بتلاتے ہوئے لکھا ہے۔

۱ ۔ مولوی محمد حسین صاحب رامپوری جو حضرت اسمٰعیل شہیدؒ کے رفقاء خاص میں سے تھے فرماتے ہیں۔

" جنگ کا نام جہاد نہیں۔ جنگ کو قتال کہتے ہیں اور وہ گاہے گاہے پیش آتی ہے اور جہاد اعلاء کلمۃ اللہ میں کوشش کرنا ہے جو مدت دراز تک باقی رہتا ہے یہ صرف آپ کی غلط فہمی ہے کہ قتال کا نام جہاد رکھا ہے۔

(سوانح احمدی ص ۱۰۸)

۲ ۔ مولوی چراغ علی صاحب لکھتے ہیں۔

" میں اس کی نسبت بحث نہیں کرتا کہ قرآن میں جنگ کرنے کا حکم نہیں ہے قرآن میں بہت سی آیات ایسی ہیں جن میں متبعین رسول ؐ کو دفاعی جنگ کی

اجازت دی گئی ہے لیکن اقدامی لڑائی کے لئے کوئی حکم نہیں ہے اس حکم کے لئے لفظ قتل اور قتال بالکل جدا طریق پر مستعمل ہوئے ہیں۔" (تحقیق الجہاد مع ضمیمہ جات ص ۲۲۲ ضمیمہ اول)

۳۔ مولوی سید سلیمان ندوی صاحب نے لکھا ہے

"جہاد کے معنی عموماً قتال اور لڑائی کے لئے جاتے ہیں لیکن مفہوم کی یہ تنگی قطعاً غلط ہے . . . ۔ اس کے معنے محنت اور کوشش کے ہیں اس کے قریب قریب اس کے اصطلاحی معنے بھی ہیں۔ یعنی حق کی بلندی اور اشاعت اور حفاظت کے لئے ہر ایک قسم کی جدو جہد کرنا۔ قربانی اور ایثار گوارہ کرنا اور ان تمام جسمانی و مالی و دماغی قوتوں کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو ملی ہیں اس کی راہ میں صرف کرنا۔ یہاں تک کہ اس کے لئے اپنی اور اپنے عزیز و اقارب کی اہل و عیال کی خاندان کی، قوم کی، جان تک قربان کر دینا اور حق کے مخالفوں اور دشمنوں کی کوششوں کو توڑنا۔ ان کی تدبیروں کو رائیگاں کرنا۔ ان کے حملوں کو روکنا اور اس کے لئے جنگ کے میدان میں اگر ان سے لڑنا پڑے تو اس کے لئے پوری طرح تیار رہنا بھی جہاد ہے۔ افسوس ہے کہ ان مخالفوں نے اتنے اہم اور اتنے ضروری اور اتنے وسیع مفہوم کو جس کے بغیر دنیا میں کوئی تحریک نہ سرسبز ہوئی نہ ہو سکتی ہے صرف دنیا کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کے تنگ میدان میں محصور کر دیا۔ یہاں ایک شبہ کا ازالہ کرنا نہایت ضروری ہے کہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جہاد اور قتال ہم معنی ہیں حالانکہ ایسا نہیں . . . ۔ بلکہ ان دونوں میں عام و خاص کی نسبت ہے یعنی ہر جہاد قتال نہیں بلکہ جہاد کی مختلف قسموں میں سے ایک اور دشمنوں کے ساتھ لڑنا بھی ہے۔" (سیرت النبی جلد پنجم ص ۱۹۹، ۲۰۰)

۴ ۔ مولوی ظفر علی خاں صاحب لکھتے ہیں۔

" اگر مسلمانوں نے اپنی حکومت وسلطنت کے زمانہ میں کبھی ملک گیری کے لئے توسیع مملکت کے لئے اقوام واُمم کو غلام بنانے کے لئے تلوار اٹھائی تو اس کو جہاد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" (زمیندار لاہور ۱۴ ر جون ۳۶ء)

۵ ۔ غلام احمد پرویز صاحب نے لکھا ہے

" قتال بھی جہاد کے اندر شامل ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ جہاد کا نقطۂ آخرین اس سے واضح ہو گیا کہ جہاد کے معنے ہر مقام پر جنگ و قتال نہیں مومن کی ساری زندگی جہاد ہے۔" (معارف القرآن جلد چہارم ص ۴۸۸)

۶ ۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے کہا ہے

(ا) شریعت کی اصطلاح میں قتال اور جہاد دو الگ چیزیں ہیں قتال اس جنگی کارروائی کو کہتے ہیں جو لڑنے والی فوجیں دشمن کی فوجوں کے خلاف کرتی ہیں۔ اور جہاد اس مجموعی جدو جہد کو کہتے ہیں جو پوری قوم مجموعی طور پر اس مقصد کی کامیابی کے لئے کرتی ہے جن کی خاطر جنگ برپا ہوئی ہو اس جدو جہد کے دوران میں قتال کبھی رک بھی جاتا ہے اور ملتوی بھی ہو جاتا ہے مگر جہاد اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک وہ مقصد حاصل نہ ہو جائے جس کے لئے وہ شروع ہوا تھا۔" (اخبار مشرق لاہور ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۵ء)

(ب) جہاد کے معنے صرف ہتھیاروں سے لڑنے ہی کے نہیں ہیں بلکہ جہاد مجموعی طور پر اس پوری جدو جہد کو کہتے ہیں جو جنگ کو کامیاب بنانے کے لئے کی جاتی ہے میدان جنگ اس جدو جہد کے بے شمار محاذوں میں صرف ایک محاذ ہے۔"

(اخبار کوہستان لاہور ۱۸ ر ستمبر ۱۹۶۵ء)

باب سیزدہم

علماء کے سامنے دوسرا مسئلہ یہ آیا کہ

ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟

سرکار انگریزی کے زمانہ میں علماء کی اکثریت کا فتویٰ یہ تھا کہ ہندوستان دارالحرب نہیں ہے جیسا کہ لکھا ہے۔

۱۔ نواب سید محمد صدیق حسن خاں لکھتے ہیں

"علماء اسلام کا اسی مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ملک ہند میں جب سے حکام والا مقام فرنگ فرماں روا ہیں اس وقت سے یہ ملک دارالحرب ہے یا دارالاسلام حنفیہ جن سے یہ ملک بھرا ہوا ہے ان کے عالموں اور مجتہدوں کا تو یہی فتویٰ ہے کہ یہ دارالاسلام ہے اور جب یہ ملک دارالاسلام ہوا تو پھر یہاں جہاد کرنا کیا معنے بلکہ عزم جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے اور جن لوگوں کے نزدیک یہ دارالحرب ہے جیسے بعض علماء دہلی وغیرہ ان کے نزدیک بھی اس ملک میں رہ کر اور یہاں کے حکم کی رعایا اور امن وامان میں داخل ہو کر کسی سے جہاد کرنا ہرگز روا نہیں جب تک کہ یہاں سے ہجرت کر کے کسی دوسرے ملک اسلام میں جا کر مقیم نہ ہو غرض یہ کہ دارالحرب میں رہ کر جہاد کرنا اگلے پچھلے مسلمانوں میں سے کسی کے نزدیک ہرگز جائز نہیں۔" (ترجمان وہابیہ ص۵)

۲ ۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی لکھتے ہیں

"اس مسئلہ اور اس کے دلائل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ملک ہندوستان باوجودیکہ عیسائی سلطنت کے قبضہ میں ہے دارالاسلام ہے اس پر کسی بادشاہ کو عرب ہو خواہ عجم کا مہدی سوڈان ہو یا خود حضرت سلطان شاہ ایران ہو خواہ امیر خراسان، مذہبی لڑائی و چڑھائی کرنا جائز نہیں ہے۔"

(رسالہ الاقتصاد فی مسائل الجہاد ص ۲۵)

۳ ۔ مولوی حسین احمد صاحب مدنی لکھتے ہیں

"اگر کسی ملک کا اقتدار اعلیٰ کسی غیر مسلم جماعت کے ہاتھوں میں ہو لیکن مسلمان بھی بہر حال اس اقتدار میں شریک ہوں اور ان کے مذہبی اور دینی شعائر کا احترام کیا جاتا ہو تو وہ ملک حضرت شاہ صاحب کے نزدیک بلاشبہ دارالاسلام ہوگا از روئے شرع مسلمانوں کا فرض ہوگا کہ وہ اس ملک کو اپنا ملک سمجھ کر اس کے لئے ہر نوع کی خیر خواہی اور خیر اندیشی کا معاملہ کریں۔"

(نقش حیات جلد ۲ ص)

۴ ۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا فتویٰ

"جب وہ (مسلمان) مغلوب ہو گئے انگریزی حکومت قائم ہو چکی اور مسلمانوں نے اپنے پرسنل لاء پر عمل کرنے کی آزادی کے ساتھ رہنا قبول کر لیا تو اب یہ ملک دارالحرب نہیں رہا۔ (سود ص ۳۴۲)

اس مسئلہ کے متعلق حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے جو فرمایا وہ یہ ہے۔

"انگریزوں کی سلطنت اور عہد حکومت . . . . بہت سے برکات اپنے

ساتھ لے کر آئی جس کی وجہ سے ہم کو اپنے مذہب کی اشاعت کا خاطر خواہ موقع ملا اور اس قسم کا امن اور آرام نصیب ہوا کہ پہلی حکومتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ پھر یہ صریح ظلم ہے اور اسلامی تعلیم اور اخلاق سے بعید ہے کہ ہم ان کے شکر گذار نہ ہوں۔ یاد رکھو انسان جو اپنے جیسے انسان کی نیکیوں کا شکر گذار نہیں ہوتا وہ خدا تعالیٰ کا شکر گذار کیونکر ہوگا جس کو وہ دیکھتا بھی نہیں اس لئے محض حکومت کے لحاظ سے ہم اس کو دار الحرب نہیں کہتے ہیں ہمارے نزدیک ہندوستان دار الحرب ہے بلحاظ قلم کے۔ پادری لوگوں نے اسلام کے خلاف ایک خطرناک جنگ شروع کی ہوئی ہے۔ اس میدان جنگ میں وہ نیزہ ہائے قلم لے کر نکلے ہیں نہ سنان و تفنگ لے کر اس لئے اس میدان میں ہم کو جو ہتھیار لے کر نکلنا چاہیئے وہ قلم اور صرف قلم ہے ہمارے نزدیک ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس جنگ میں شریک ہو جائے۔" (ملفوظات حصہ اوّل ص ۲۱۶ - ۲۱۷)

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی لکھتے ہیں

"بھائیو! اب مشین کا وقت نہیں رہا۔ اب بجائے سیف قلم سے کام لینا ضروری ہوگا۔ مسلمانوں کے ہاتھ میں سیف کا آنا کیونکر ممکن ہے جبکہ ان کا ہاتھ ہی ندارد ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا جانی دشمن ہے۔ شیعہ سُنی کو اور سُنی شیعہ کو، اہلحدیث مقلد کو وعلیٰ ہذا القیاس ہر فرقہ دوسرے فرقہ کو اسی نگاہ سے دیکھ رہا ہے . . . ان کی آپس میں رد اور نازک حالت میں ان کو ایک قوم سمجھنا اور اس کا وجود و تشخص فرض کر لینا . . . شیخ چلی کے خیالات و افعال سے بڑھ کر نہیں ہے۔

(اشاعۃ السنۃ بٹالوہ ص ۳۲۴ - ۳۲۵)

بالکل اسی طرح حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے

۱ ۔ یعنی تلوار کے ساتھ جہاد کے شرائط پائے نہ جانے کے باعث موجودہ ایام میں تلوار کا جہاد نہیں رہا۔ (حقیقۃ المہدی ص)

۲ ۔ اور اس میں شک نہیں کہ جہاد کی وجوہ یا شرائط اس زمانہ اور ان شہروں میں نہیں پائی جاتیں۔ (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ عربی ص)

حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں سرکار انگریزی کی وفاداری کے متعلق بار بار کیوں لکھا۔ اس کے متعلق آپ لکھتے ہیں۔

۱ ۔ "جو ملازمت پیشہ ہیں وہ اس کوشش میں ہیں کہ مجھے اس محسن سلطنت کا باغی ٹھہرائیں۔ میں سنتا ہوں کہ ہمیشہ خلاف واقعہ خبریں میری نسبت پہنچانے کے لئے طرح طرح سے کوشش کی جاتی ہے حالانکہ آپ لوگوں کو خوب معلوم ہے باغیانہ طریق کا آدمی نہیں ہوں۔" (تریاق القلوب ص ۱۵) ، پہلا ایڈیشن۔ روحانی خزائن جلد ۱۵۔ ص ۱۵۵۔

۲ ۔ "بعض ان میں سے گورنمنٹ انگریزی میں جھوٹی شکایات میرے متعلق لکھتے ہیں اور اپنی عداوت کو چھپا کر مخبروں کے لباس میں پیش کر رہے ہیں۔"

(انجام آتھم ص ۶۸)

۳ ۔ "افترا کے طور پر اس (نوزین الاقوال) میں میرے حالات لکھے ہیں اور بیان کیا ہے کہ یہ شخص ایک مفسد آدمی اور گورنمنٹ کا دشمن ہے اور مجھے اس کے طریق چال چلن میں بغاوت کی نشانیاں دکھائی دیتی ہیں اور یقین رکھتا ہوں کہ وہ ایسے کام کرے گا اور مخالفوں میں سے ہے۔" (نور الحق حصہ اول ص ۲۴ ۔ پہلا ایڈیشن روحانی خزائن جلد ۸ ۔ ص ۳۳)

۴ ۔ "یہ بھی ذکر کے لائق ہے کہ ڈاکٹر کلارک صاحب نے اپنے بیان میں کہیں اشارۃً

اور کہیں صراحتاً میری نسبت بیان کیا ہے کہ گویا میرا وجود گورنمنٹ برطانیہ کے لئے خطرناک ہے۔" (کتاب البریہ)

۵۔ "اب سمجھ لو کہ قوم سے بھی کوئی امید نہیں ہے۔ رہی گورنمنٹ اس کو بھی بدظن کیا جاتا ہے اور گورنمنٹ کسی حد تک معذور بھی ہے اگر خدانخواستہ وہ بدظن ہو کیونکہ عالم الغیب نہیں ہے اس لئے ہم کو اکثر مرتبہ گورنمنٹ کے حضور خاص طور پر میموریل بھیجنے پڑے اور اپنے حالات سے خود اس کو مطلع کرنا پڑا تاکہ اس کو صحیح اور سچے واقعات کا علم ہو۔" (ملفوظات جلد اول ص ۲۰۹)

غرض مخالفین کی بھی عجیب حالت ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے خلاف جھوٹی شکایات اور جھوٹی مخبری کرتے ہیں کہ یہ شخص سرکار انگریزی کا باغی ہے۔ اور جب وہ اپنی صفائی پیش کرتا ہے تو لوگوں کو بھڑکاتے ہیں کہ یہ شخص حکومت کا خوشامدی ہے۔

آزادی کے بعد کے ہندوستان میں بسنے والے ہندوستانی مسلمانوں کے لئے جہاد سے متعلق اپنے فرائض اور حقوق کا تعین مندرجہ بالا مندرجات کی روشنی میں کرنا چنداں مشکل نہیں اس کا بہت کچھ دارومدار اس بات پر بھی ہے کہ حکومت ہندوستان مسلمانوں کے دینی معاملات میں ان کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے اور دین و عقائد کی نہ صرف آئینی اور قانونی ضمانت مہیا کرتی ہے بلکہ اپنے عمل سے ان آئینی اور قانونی ضمانتوں کا تحفظ بھی کرتی ہے۔ پاکستانی علماء نے ۱۹۵۳ء میں منیر انکوائری کمیشن کے روبرو ہندوستانی مسلمانوں کے ہندوستانی حکومت سے متعلق جو بیانات دیئے تھے وہ محض جذباتیت یا سیاست کے مظہر تھے ان کو کسی صورت بھی دین کی ترجمانی نہیں کہا جا سکتا۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے ہندوستان میں اپنی حیثیت کا تعین خود ہندوستان کی حکومت کے سلوک کی روشنی میں۔ قرآن و سنت کی تعلیمات کے تحت کرنا ہے امید ہے پچھلی ایک صدی سے زیادہ عرصہ کے جہاد سے متعلق ہندوستانی مسلمانوں کے اقدامات اس جہت ان کے سفر کو آسان کر دیں گے۔